نقش آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا راشدالحق سمیع
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الحق''

اسلامی دنیا کی بڑی مذہبی تنظیم ''نہضۃ العلماء'' انڈونیشیا کے چیئرمین اور انڈونیشین سفیر کی دارالعلوم آمد

3 راگست 2024 بروز ہفتہ کو انڈونیشیا اور عالم اسلام کی سب سے بڑی مذہبی تنظیم ''نہضۃ العلماء'' کے سربراہ جناب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب اور انڈونیشین سفارتخانے کے سفیر جناب رحمت ہندیارتا کوسوما صاحب اپنے دیگر رفقاء، پولیٹکل قونصلر، جناب ایکسل مرزا صاحب اور پروٹوکول آفیسرز کے ہمراہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا حامد الحق حقانی اور راقم (راشدالحق سمیع)، ڈاکٹر قبلہ ایاز، مولانا اسرار مدنی، مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحبان نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔

راقم نے معزز مہمان حضرات کو اپنے دفتر میں جامعہ حقانیہ کے بارے میں خصوصی بریفنگ دی پھر معزز مہمانوں کو ایوان شریعت (دارالحدیث) لے جایا گیا جہاں پر نائب مہتمم حضرت مولانا حامد الحق صاحب نے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور انہیں دارالعلوم کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کیا۔ دارالحدیث میں راقم نے اپنے تعارفی کلمات کے ذریعے معزز مہمانوں کی دارالعلوم آمد پر شکریہ ادا کیا اور ''نہضۃ العلماء'' کے پس منظر سے طلباء کو آگاہ کیا۔اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین، شریعہ اپیلیٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے معزز جج پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب نے بھی انڈونیشیا کے حالات، واقعات اور ''نہضۃ العلماء'' کے احوال کو تفصیل سے ذکر کیا اور پاکستان کے ساتھ انڈونیشیا کا تقابلی جائزہ پیش کیا۔ بعد ازاں ''نہضۃ العلماء'' کے چیئرمین شیخ ڈاکٹر عبداللہ صاحب نے فصیح عربی زبان میں تفصیلی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم حقانیہ کے دورہ پر مجھے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے اور اس کی تاریخی حیثیت اور عالمی خدمات پر ادارے کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور دارالعلوم حقانیہ آکر مجھے ایسے محسوس ہورہا ہے گویا میں اپنے دادا کے قدیم مدرسہ آیا ہوا ہوں، (یادرہے کہ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے دادا بھی عالم اور شیخ تھے انہوں نے بھی انڈونیشیا میں ایک اسلامی، روحانی مدرسہ قائم کیا تھا اُس جانب اشارہ کیا ہے) ہمارے ہاں انڈونیشیا میں بھی مدارس کا ایسا ہی تعلیمی نظام ہے اور دارالعلوم حقانیہ کا انڈونیشیا و ''نہضۃ العلماء'' کے ساتھ ارتباط و تعلق تعلیمی میدان میں

مضبوط اور محکم ہونا چاہیے اور انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ وطلباء کو انڈونیشیا آنے کی دعوت دی اور وہاں کی جامعات کے ساتھ معادلہ کرنے کی بھی پیشکش کی۔اس کے بعد انڈونیشین سفیر جناب رحمت ہندیارتا کوسوما صاحب نے بھی طلباء سے موثر عربی زبان میں خطاب کیا۔آخر میں مولانا حامد الحق حقانی صاحب نے حماس کے سربراہ عظیم مجاہد شیخ اسماعیل ہنیہ شہیدؒ کیلئے فاتحہ خوانی ودعائے مغفرت کی۔ بعدازاں راقم نے معزز مہمانوں کو شعبہ تخصصات کا وزٹ کرایا جہاں پر محترم چیئرمین ''نہضۃ العلماء'' نے شعبہ تخصصات کے جملہ شرکا سے عربی زبان میں ایک دوسرا خطاب بھی فرمایا۔

معزز مہمان چیئرمین ''نہضۃ العلماء'' ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب کو نائب مہتمم حضرت مولانا حامد الحق صاحب اور راقم نے حضرت والد گرامی شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی دس جلدوں پر مشتمل ''تفسیر لاہوری'' اور ماہنامہ ''الحق'' کی خصوصی اشاعت، تذکرہ وسوانح مولانا سمیع الحق شہیدؒ پیش کیں نیز مہمانوں نے انڈونیشین حکومت کی طرف سے مولانا حامد الحق حقانی صاحب اور راقم کو اعزازی شیلڈ عطا کی۔اسی طرح مہمانوں کو دارالعلوم کی نئی عظیم الشان جدید لائبریری کا دورہ کرایا گیا، محترم چیئرمین صاحب نے نئی لائبریری کی جامعیت، منفرد ڈیزائنگ، وسعت اور قلمی نسخوں کی تعداد دیکھ کر حیرت اور مسرت کا اظہار کیا۔بعدازاں انہیں زیرتعمیر جامع مسجد مولانا عبدالحقؒ، دارالحفظ والتجوید اور حقانی مقبرہ بھی لے جایا گیا، پروگرام کے اختتام پر معزز مہمانوں کے لئے راقم نے اپنی رہائش گاہ پر ظہرانے کا انتظام کیا تھا۔یادرہے انڈونیشین حکومت کی دعوت پر راقم ماہ نومبر 2023 میں مولانا اسرار صاحب کے ہمراہ انڈونیشیا کے دورے پر گیا تھا اور ہم نے وہاں کی مختلف تعلیمی، اسلامی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کے مختلف حکومتی اداروں کا دورہ بھی کیا، اس قسم کے سیاسی، سفارتی اور علمی نوعیت کے وفود سے دارالعلوم کی خدمات عالمی سطح پر آشکارا ہوتی ہیں اور اسلام اور دینی مدارس کا ایک اچھا تاثر سفراء اور عالمی اداروں پر مرتب ہوتا ہے۔حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شہادت کے بعد بھی عالمی اداروں کے نمائندوں، مغربی میڈیا اور خصوصاً دنیا بھر کے سفارتخانوں کے وفود کا سلسلہ حسب سابق جاری وساری ہے، گوکہ حضرت والد شہیدؒ کا خلاء پُر نہیں کیا جاسکتا لیکن راقم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اپنے عظیم والدؒ کے مشن اور ان کی جاری کردہ روایات کو قائم رکھ سکوں، حضرت والد صاحبؒ کی یہ کوشش تھی کہ دینی مدارس کے پرامن پیغام کو مکالمے اور مباحثے کے ذریعے مغربی دنیا، میڈیا، سفارتکاروں اور عالم اسلام کے درمیان روابط کے ذریعے پروان چڑھایا جائے، ان معزز مہمانوں کی آمد کا تسلسل بھی اُنہی کوششوں کی ایک کڑی ہے، اللہ تعالیٰ عالم اسلام، پاکستان و انڈونیشیا کو متحد ومتفق رکھے اور دارالعلوم حقانیہ کو صبح قیامت تک شاد وآباد رکھے (آمین)

جمعیۃ التضامن الاسلامی افریقہ کے ساتھ جامعہ حقانیہ کا تعلیمی معاہدہ،

جمعیۃ التضامن الاسلامی مغربی افریقہ کے قدیم تعلیمی اور دعوتی تنظیم ہے جس کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں گیمبیا میں رکھی گئی، جمعیت کا میدان عمل گیمبیا، گنی، بساؤ اور سینگال مغربی افریقہ کے ممالک ہیں، جمعیت کے مؤسس معروف داعی شیخ حطاب بوجانگؒ (متوفی ۱۹۸۴ء) ہیں، اس تنظیم کے ذیلی ادارے بھی ہیں جو کہ دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت اور فلاح و بہبود کے میدانوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، یہ تنظیم وہاں کی اسکولوں اور مدارس کی نگرانی بھی کرتی ہے جس طرح ’’وفاق المدارس العربیہ‘‘ کی تنظیم پاکستان میں کرتی ہے، یہ تنظیم مدارس کیلئے اساتذہ کی تقرری، درسگاہوں کی تعمیر، علمی اور دعوتی کانفرنسوں کا انعقاد، تعلیم بالغان کیلئے کلاسوں کا انعقاد، تاجروں اور زمینداروں کی تربیت کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ ۲۸ جنوری کو جمعیۃ التضامن الاسلامی کے صدر شیخ محمد امین توری اور گیمبیا کے سپریم اسلامی لیڈر جنہیں سرکاری طور پر مذہبی امور کے وزیر کا عہدہ بھی حاصل ہے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، ان کے پاکستان دورہ کے محرک ومیزبان پیرسید زاہد شاہ گیلانی صاحب تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم قرآن عام کرنے کا ذوق بلکہ عشق عطا فرمایا ہے۔ مہمانوں نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا نظام تعلیم کا غور سے جائزہ لیا، درسگاہوں، دفاتر اور دارالحدیث کا دورہ کیا۔ شیخ عیسیٰ صاحب (وزیر مذہبی امور) تعلیمی لحاظ سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھتے اور امتحانات کا نظام بھی معلوم کیا، مولانا حبیب صاحب نے انہیں تفصیلات سے آگاہ کیا اور جامعہ ونظام تعلیم پر خصوصی بریفنگ دی۔

محترم جناب پیرسید زاہد شاہ گیلانی صاحب کی خواہش اور کوشش تھی کہ ان کا دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ تعلیمی معاہدہ ہوجائے جس کے تحت یہاں سے اساتذہ قرآن وحدیث کی تعلیم عام کرنے کیلئے وہاں جائیں، اسی طرح شیخ عیسیٰ صاحب کی بھی خواہش تھی کہ گیمبیا اور مغربی افریقہ کے دیگر ممالک میں بھی پاکستان و دارالعلوم حقانیہ کے مدارس کی طرح دورہ حدیث کا اہتمام ہولہٰذا دونوں اداروں کے درمیان جناب سید زاہد گیلانی صاحب، مولانا حبیب اللہ شاہ صاحب کے ذریعے ایک معاہدہ طے پایا جس پر راقم نے دارالعلوم کی طرف سے دستخط کئے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ ستمبر میں حقانی فضلاء کا پہلا گروپ افریقہ جارہاہے، یوں دارالعلوم کے تعلیمی و روحانی ثمرات اب براعظم افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں میں بھی پھیل سکیں گے مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ

معاہدہ کی تفصیلات مولانا حبیب اللہ شاہ حقانی صاحب کے تفصیلی مضمون صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نامور علمی وسیاسی شخصیت جناب اکرام اللہ شاہد صاحبؒ کی وفات

خیبر پختونخوا کی ایک اہم نامور علمی ،ادبی اور سیاسی شخصیت، جمعیت علمائے اسلام (س) کے رہنما اور سابق ڈپٹی اسپیکر صوبائی اسمبلی جناب اکرام اللہ شاہد صاحبؒ بھی گزشتہ دنوں ہمیں داغ مفارقت دے گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) آپ کی اچانک جدائی علمی، ادبی ،سیاسی حلقوں کے لئے رنج وغم کا باعث ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے (آمین)

جناب اکرام اللہ شاہد صاحبؒ خود بھی بڑے محقق ،ادیب ،مصنف ،وکیل اور معروف قانون دان تھے اور آپ کے والد حضرت علامہ مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی صاحبؒ بھی اپنے وقت کے ایک عظیم علمی ،روحانی اور سیاسی قد آور شخصیت اور تحریک پاکستان کے نامور رہنما تھے۔قائداعظم اور دیگر چوٹی کے رہنماؤں نے کئی خطوط بھی آپ کے نام لکھے ہیں، آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، قیام پاکستان سے قبل شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جمعیت العلماء میں شامل ہوئے اور تحریک آزادی وتحریک پاکستان میں صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) سے جمعیت العلماء کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے بھرپور حصہ لیا اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے معتمد خاص رہے۔اس کے علاوہ ماہنامہ ''الحق'' کے ابتدائی برسوں میں آپ کے محققانہ مضامین تسلسل سے کافی عرصہ تک ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہوتے رہے، مرحوم اسپیکر صاحب اپنے والد کے کئی علمی ادبی کاموں کی تکمیل واشاعت بیماری کے باوجود عمر کے آخری حصے تک کرتے رہے۔ آدھ درجن کتابیں اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد مکمل کر کے شائع کیں۔آپ نے اُس دور میں اسلامائزیشن کیلئے بھرپور کاوشیں کیں۔عمر بھر جامعہ حقانیہ، حضرت والد ماجد مولانا سمیع الحق صاحب شہیدؒ، برادرم مکرم مولانا حامد الحق صاحب اور راقم کیساتھ خصوصی تعلق شفقت کا مظاہرہ فرماتے رہے، اپنی ہر نئی تصنیف وتالیف بذات خود مجھے عطا کرتے۔ابھی کچھ دن پہلے میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے اور پھر وفات ہونے سے صرف دودن قبل ٹیلی فون پر مجھ سے آخری مرتبہ مشفقانہ گفتگو بھی کی تھی، آپ بڑے وضعدار، مشفق، مہربان اور اعلیٰ صلاحیتوں واعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، آپکے قابل فاضل فرزند جناب پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب بھی ایک بڑی علمی شخصیت ہیں، کئی اہم محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں، جامعہ حقانیہ اور حقانی خاندان اپنے بہت ہی مخلص اور مشفق ہمدرد وخیرخواہ کے بچھڑنے پر انکے پسماندگان جناب افتخار احمد، ڈاکٹر جواد احمد صاحبان سے دلی تعزیت کرتا ہے۔

مولانا محمد اسلام حقانی
نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

حماس کے سربراہ اسماعیل ہنیہ شہیدؒ کی شہادت

شہادت کی موت ایمان ویقین، عزم واستقلال، عزیمت و ہمت اور دین اسلام کے لئے جان دینے سے عبارت ہے، یہ ایک بلند روحانی مقام ہے جہاں انسان حق کی خاطر اپنی جان نثار کر دیتا ہے، تاریخ انسانی میں ایسی شخصیات کی شہادت امت میں ایک نئی روح پھونک دیتی ہے، ان عظیم شخصیات میں سے ایک اولوالعزم اور ہر دلعزیز شخصیت حماس کے سربراہ اسماعیل ہنیہ شہیدؒ بھی تھے جو ۳۱؍جولائی بروز بدھ ایران میں ایک صیہونی حملے میں جام شہادت نوش کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اسماعیل ہنیہ شہید فلسطینی تحریک حماس کے رہنما تھے، انہوں نے اپنی زندگی دین کی سربلندی، بیت المقدس کے تحفظ کی جدوجہد میں گزاری، آپکی زندگی بے پناہ قربانیوں سے معمور تھی، آپ ایک عالم، مفکر اور صاحب بصیرت رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فعال اور متحرک شخصیت کے بھی مالک تھے، آپ نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ دین اور حق کی راہ پر گزار کر جدوجہد کی اور مظلوموں کو جہد مسلسل کی راہ دکھائی۔ آپ جہاد کی راہ پر قائم رہتے ہوئے صیہونی ظلم وستم کے خلاف بے جگری اور بے خوفی سے مقابلہ کیا۔ آپ نے امت مسلمہ کو صہیونی تسلط سے آزاد کرانے کی راہ دکھا کر خود مظلوموں کی آواز بنے، دشمن کی سوچ یہ تھی کہ مقابل تحریک کے سربراہ کو شہید کر کے ان کی آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کرایا جا سکے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ کی شہادت سے آزادی کے متوالوں کے عزائم و مقاصد کو مزید تقویت ملی، ان کے پیروکاروں نے ان کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم کا اظہار کیا اور ان کے حوصلے مزید بلند ہوئے۔ حقیقی رہنما وہ ہوتے ہیں جو اپنے دین وملت کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے، انہوں نے کافی عرصہ امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا، عالم اسلام کے دیگر ممالک کو آوازیں دیں، چیخ چیخ کر پکارا اور مظلوم فلسطینیوں کی آواز ہم تک پہنچا دی اور اس پر پوری دنیا کو گواہ بنایا پھر وہ خود اپنے خاندان سمیت اسی راہ پر چل پڑے جہاں ایک صاحب عزیمت کو سرخرو ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ہم دعا گو ہے کہ آپ کی شہادت عالم اسلام کی بیداری کا باعث بنے (آمین) جامعہ حقانیہ اور خاندان حقانی صدمے اور غم کے اس موقع پر اہل فلسطین اور امت کے تمام مجاہدین سے دلی تعزیت کرتی ہے اور خود کو بھی اس غم میں برابر کا شریک قرار دیتے ہیں۔

خطاب: حضرت مہتمم شیخ الحدیث مولانا انوارالحق مدظلہ

بدعاتِ محرم کا جائزہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ''بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہ سیدھا دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

وَعَن عَطاء بْنِ يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسلم: اللَّهُمَّ لَا تَجْعَل قَبْرِى وثنا يعبد اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائهمْ مَسَاجِد''عطا بن یسارؒ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے، اللہ ان لوگوں پر سخت ناراض ہو جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

معزز سامعین کرام! محرم الحرام ایک مقدس اور متبرک مہینہ ہے جس کے بہت سے فضائل اور امتیازی خصوصیات قرآن کریم میں (صراحتاً یا اشارۃً) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اور اسلامی فکر سے وابستہ محققین و اسکالرز کے فرموادت میں ذکر کئے گئے ہیں۔محرم کی عظمت کے پیشِ نظر شریعت نے اس ماہ میں چند اعمال کی ادائیگی کو مستحسن قرار دیا اور امت کو مجموعی طور پر ان اعمال کی ترغیب دی گئی۔ جیسے ماہِ محرم الحرام میں روزے رکھنا اور بالخصوص یومِ عاشوراء کا روزہ اور اپنے اہل وعیال پر بقدرِ استطاعت خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

سانحہ کربلا کے بعد اس ماہ کو اسلامی تاریخ میں مزید اہمیت ملی اور اس ماہ کے ساتھ مسلمانوں

کا ایک نیا رشتہ استوار ہوا۔ ابتداء میں سانحہ کربلا کی وجہ سے اس ماہ کے متعلق کوئی غلط تصور موجود نہ تھا اور نہ کسی غیر شرعی عمل کو پذیرائی ملی تھی لیکن جوں ہی زمانہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتا گیا، غلط افکار ونظریات بڑھتے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے محرم الحرام کے متعلق ایک خود ساختہ نظریات کی عمارت کھڑی کر دی گئی۔ علمی وفکری نظریات کے ساتھ ساتھ بہت سی عملی کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی سامنے آئیں جن کی وجہ سے محرم الحرام کی دینی حیثیت دھندلا گئی۔ علمی وفکری طبقہ نے غلط نظریات کو فروغ دینے میں کردار ادا کیا تو عوام الناس نے عملی کجروی یعنی بدعات ورسومات کی ترویج وتشہیر میں اپنا حصہ ڈالا اور یوں ایک مشترکہ کوشش سے محرم الحرام اور محرم کے متعلق شریعت کے اساسی تصور کو پامال کیا گیا۔ ہم ان بدعات ورسومات کا جائزہ لیں گے لیکن اس سے پہلے ہم بدعت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ بدعت کیا ہے؟

بدعت کیا ہے؟

بدعت اور احداث فی الدین **ایک** معنیٰ میں **مستعمل** ہوتے ہیں۔ **بدعت** عربی زبان کا لفظ ہے جو بَدَعَ سے مشتق ہے۔ بدع کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی سابقہ مادہ۔ مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ یعنی کسی شے کو عدم محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں ''اِبداع'' کہتے ہیں۔ **بدعت** یعنی بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد، کی آسان تعبیر ما أحدث علی غیر مثال سابق سے کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ذکر شدہ مختلف مشتقاتِ **بدعت** سے لغوی معنیٰ کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ''وہی آسمانوں اور زمین کو (عدم سے) وجود میں لانے والا ہے اور جب وہ کسی چیز (کی اِیجاد) کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے تو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔''

بدعت کی اصطلاحی تعریف ذکر کرتے ہوئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ: ''اصطلاحِ شرع میں **بدعت** وہ نیا کام ہے جو خیر القرون کے زمانے میں نہ ہو اور سلف خلف اس کی طرف محتاج ہوں اور کوئی شخص حصولِ ثواب کی نیت سے کریں۔ **بدعت** کی اس تعریفِ شرعی کے پیش نظر اس کا کوئی فرد حسنہ نہیں بلکہ ہر فرد سیئہ اور قبیح ہے۔''

بدعت ایک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے جس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی قرار دیا ہے کہ:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ

كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

''جابرؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمد وثنا اور صلوۃ و سلام کے بعد، سب سے بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، بدترین امور وہ ہیں جو نئے جاری کئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کو شر الشرك یعنی شرک کا تسمہ اور شاخ قرار دیا ہے جس سے بدعت کی قباحت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بدعت یا دین میں کسی جدید چیز کا اضافہ کرنا درحقیقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عدمِ اعتماد کا اظہار کرنا ہے کہ العیاذ باللہ یہ امر بھی دین کا حصہ ہے اور اس پر بھی ثواب ملتا ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ہم تک نہیں پہنچایا۔ یہ حکم یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا یا نعوذ باللّٰه من ذالك حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلاغِ دین میں بخل سے کام لیا۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً وعقلاً محال ہے کیونکہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلاغ ما انزل اللہ کی ذمہ داری بطریقِ احسن سرانجام دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس پر دال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ استفسار ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرام سے کیا تھا کہ کیا میں نے آپ لوگوں تک دین پہنچایا تو تمام حاضرین نے بیک وقت اور بیک زبان اقرار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین پہنچایا دیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی ذمہ داری پوری کی تو پھر دین میں کچھ اضافہ کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے علمائے کرام بدعات کے خلاف سخت رویہ اپناتے ہیں کیونکہ بدعات و رسومات کی وجہ سے دین کی اصلی روح مجروح ہوتی ہے۔

ماہِ محرم الحرام کی بدعات و رسومات

ماہِ محرم اور بالخصوص یومِ عاشوراء کے متعلق عوام الناس میں بے شمار بدعات و رسومات نے جنم لیا اور محرم الحرام کے آغاز سے ہی بدعات وخرافات کی رسمیں شروع ہو جاتی ہیں اور آخر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہم ان میں سے چند بدعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

قبرستان جانا

محرم الحرام سے متعلق بڑی اور مشہور بدعت قبور کو بارونق بنانا ہے، محرم الحرام اور خصوصاً نویں اور دسویں محرم کو سب لوگ قبرستان جاتے ہیں اور وہاں قبروں پر تازہ مٹی، پھول اور ہار وغیرہ رکھ کر مزین کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں تو محرم کی ابتداء سے قبرستان کی صفائی شروع ہو جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے سب قبروں کی لپائی اور قبرستان کی نقش و نگاری میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سب لوگ دل کھول کر پیسہ خرچ کرتے ہیں اور اس کو انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ قبرستان کی صفائی کے بعد مرد و عورت، جوان بوڑھے، چھوٹے بڑے سب لوگ ہجوم کی شکل میں قبرستان پہنچتے ہیں اور وہاں قبروں پر دال، چاول، مٹھائی وغیرہ پھینکتے ہیں، پھول مالے اور اگربتی وموم بتی کی رسمیں انجام دینا، قل و فاتحہ سے مردوں کو ثواب بخشنا اور ان سے استغاثہ کرنا جیسے سینکڑوں بدعات وخرافات کئے جاتے ہیں جو سراسر گناہ اور خلافِ شرع ہے۔ قبور کی زیارت کرنا کوئی گناہ نہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہے لیکن یوں جانا جس طرح محرم الحرام میں لوگ جاتے ہیں، گناہ ہے۔ قبروں کی اس طرح تزئین کرنا اور پھر خاص ایام میں قبرستان کے اندر میلہ لگانا جائز نہیں۔ ان تمام چیزوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ وَعَن عَطاء بِن يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسلم: اللَّهُمَّ لَا تجْعَل قَبْرِي وثنا يعبد اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِد ''عطا بن یسارؒ بیان کرتے ہیں، رسول اللہؐ نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے، اللہ ان لوگوں پر سخت ناراض ہو جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

اس طرح اگر کوئی قبر خراب ہوگئی ہے اور سطح زمین سے نیچے ہوگئی ہے تو اس پر مٹی ڈالنے یا برابر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن محرم الحرام اور خاص ایام میں قبروں کی تزئین یا ان پر مٹی ڈالنا یا بلاضرورت قبر کو تازہ کرنا وہ بھی خاص دن میں، ثواب کی نیت سے یقیناً بدعت ہے جس سے احتراز لازم ہے، یہ عمل نہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے یہ عمل کیا ہے بلکہ ان سب بدعات و رسومات کو خیرالقرون کے بعد فروغ ملا اور تاحال یہ رائج ہے۔

غیر شرعی نذر و نیاز

نذر منت ماننے کو کہتے ہیں اور نذر، اصطلاح شرع میں وہ عبادت مقصودہ ہے جو جنس واجب سے ہو اور وہ

خود بندہ پر واجب نہ ہو، مگر بندہ نے اپنے قول سے اسے اپنے ذمہ واجب کرلیا ہو مثلاً یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوئی تو دس رکعت نفل ادا کروں گی، اسے نذر شرعی کہتے ہیں۔ معنیٰ شرعی قرآن کریم میں بھی مستعمل ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ''کچھ تم خرچ کرو یا نذر مانو کوئی نذر، اللہ اسے جانتا ہے۔''

نذر کی مشروعیت میں تو کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن یہاں محرم الحرام میں نذر و نیاز کے نام سے ایک بڑی بدعت اور رسم عروج پر ہے کہ محرم میں سب لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے کربلا کے نام پر نذر و نیاز کی غیر شرعی صورتوں پر عمل کرتے ہیں۔ جگہ جگہ پر شہدائے کربلا کے نام پر شربت اور سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور شروع دن سے خواتین گھروں میں نذر و نیاز کا خوب اہتمام کرتی ہیں، کھچڑا، حلیم، بریانی، زردہ اور فرنی وغیرہ پکائے جاتے ہیں۔ اسے لوگوں میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے اور قبروں و درگاہوں پر بطور نذر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ غیر اللہ کے نام کی قربانی، نذر اور ذبیحہ وغیرہ سب شرک کے قبیل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ''مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ''میری قولی، فعلی اور مالی تمام عبادات اللہ ہی کے لئے ہیں۔'' جب عبادات کے تینوں اقسام (قولی، فعلی اور مالی) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں تو پھر غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کرنا یا دیگر عبادات میں غیر اللہ کو شریک کرنا ہی شرک ہے جس کو ظلم عظیم کہا گیا ہے کہ ان الشرك لظلم عظيم ''بیشک شرک ظلم عظیم ہے''۔

سو، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا صرف بدعت نہیں بلکہ شرک بھی ہے جس سے اجتناب لازمی ہے۔ محرم الحرام میں یہ سب جو ہوتا ہے وہ بھی غیر اللہ کے نام پر ہوتا ہے اور اس میں تقرب الی اللہ کی نیت شامل نہیں ہوتی، اگر تقرب کی نیت ہوتی تو پھر محرم الحرام کے ساتھ تخصیص نہ کی جاتی کیونکہ اللہ کیلئے اور صدقہ کی نیت سے کوئی بھی چیز دینے کیلئے کسی خاص دن یا ماہ کی تعین ضروری نہیں۔

مختلف تقریبات کا انعقاد

محرم الحرام کی آمد پر مختلف تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے کربلا کو خراجِ عقیدت و تحسین پیش کیا جاتا ہے اور ان محافل و مجالس میں تلاوت، حمد و

نعت اور مرثیہ خوانی کا طویل سلسلہ ہوتا ہے جو مغرب سے شروع ہوکر عموماً فجر تک جاری رہتا ہے۔ ان تقریبات میں مرد وعورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے وغیرہ سب شریک ہوتے ہیں اور آزادنہ طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں، ان کا یوں آزادنہ میل جول اور اختلاط کئی مفاسد و بدعنوانیوں کی راہ ہموار کرتا ہے لیکن حاضرین کے آنکھوں پر عقیدت واحترام کی ایسی پٹی باندھی جاتی ہے کہ ان کو کچھ نظر نہیں آتا اور ان کے نیز سب سے بڑا ثواب یہی ہے کہ ایک نوجوان ساری رات نوجوان دوشیزاؤں کے ساتھ دھمال ڈالے اور ان کے بانہوں میں ماتم منائے۔ ایک نوجوان بچی کا پوری رات گھر سے باہر بغیر کسی ضرورت کے گزارنے اور پھر یوں ہجوم میں گزارنے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بدعت کے کس قدر بھیانک نتائج سامنے آتے ہوں گے؟

محرم الحرام کو منحوس سمجھنا

ماہ محرم کی بدعات و رسومات میں محرم کو منحوس سمجھنا بھی ہے، سادہ لوح مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ محرم منحوس اور سوگ کا مہینہ ہے جس میں کوئی خوشی کی تقریب انجام دینا درست نہیں، اگر کسی نے محرم میں شادی وغیرہ کی تو وہ محرم کی نحوست کی نذر ہوجائے گی اور کامیاب نہیں ہوگی، یہ تصور دین اسلام کے متصادم نظر آتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں البتہ جذامی شخص سے ایسے بھاگتا رہ جیسے کہ شیر سے بھاگتا ہے۔''

اس روایت پر غور کرنے کے بعد کم از کم ایک مسلمان کو ان خیالات اور تصورات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بلا دلیل محرم کے متعلق ان غلط تصورات پر یقین رکھتے ہوئے محرم میں شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے انعقاد کو ناجائز یا نتیجہ کے اعتبار سے نادرست سمجھتا ہو۔

نوحہ کرنا

محرم کے مہینہ میں عاشورا کے دن حضرت حسین اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنے کا رواج عام ہو چکا ہے اور اس عمل کو باقاعدہ ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام میں اس عمل کی گنجائش نظر نہیں آتی اور اس وجہ سے علماء کرام نوحہ سے منع فرماتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صبر کی تلقین کی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ نوحہ کرنا اور پھر اس طریقے سے غم کا اظہار کرنا جس طرح آج کل کیا جاتا ہے، یقیناً صبر کے خلاف ہے۔

سوگ منانا

اس ماہ میں شیعہ مکتبِ فکر سوگ مناتے ہیں اور زیب و زینت کو مکمل ترک کر دیتے ہیں اور شرعی حدود کے اندر بھی زیب و زینت کو جائز نہیں سمجھتے اور ترکِ زینت کو باعثِ اجر قرار دیتے ہیں۔ شروع دن سے سیاہ لباس پہنتے ہیں اور غسل وغیرہ بھی نہیں کرتے۔ خواتین زیورات اتار دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اولاً تو یہ جاننا اہم ہے کہ شریعت میں سوگ صرف تین دن تک جائز ہے اور اس کے بعد چوتھے دن بھی سوگ منانا درست نہیں اور نہ ہی اگلے یا تیسرے سال سوگ کی گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ ماتم منانا جائز نہیں اور پھر اس طریقے پر ماتم اور سوگ منانا جس طرح آج کل منایا جاتا ہے اور تقریباً ہر شرعی حد کو پامال کیا جاتا ہے، ہرگز جائز نہیں، حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ:

> من سنّ في الإسلامِ سُنَّةً حسنةً، فعُمِل بها بعده، كُتِبَ له مثلُ أجرِ مَن عمل بها، ولا ينقصُ من أجورِهم شيءٌ، ومن سنَّ في الإسلامِ سُنَّةً سيئةً، فعُمِل بها بعدَه، كُتب عليه مثلُ وِزرِ من عمل بها، ولا ينقصُ من أوزارِهم شيءٌ ''جس کسی نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس پر بعد میں عمل ہونے لگا تو اس کے لئے بھی اس پر عمل کرنے والے کے برابر اجر لکھا جائے گا اور کسی کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس کسی نے اسلام میں برا طریقہ جاری کیا اور بعد میں اس پر عمل کیا جانے لگا تو اس کیلئے اس پر عمل کرنے والے کے برابر گناہ لکھا جائے گا اس میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔''

ظاہری بات ہے کہ اس ماتم اور سوگ کا آغاز جس نے بھی کیا، اس کو برابر گناہ ملے گا لیکن اگر کوئی آج اس پر عمل کر رہا ہے اور آنے والی نسل کو بھی عملاً اس کی ترغیب دے رہا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس کو برابر گناہ ملے گا۔

یوم عاشوراء کو کاروبار سے روزی میں تنگی کا تصور: عملی بدعات کی طرح محرم الحرام اور بالخصوص یومِ عاشوراء کے متعلق یہ غلط اور خود ساختہ تصور عوام کے ذہنوں میں بٹھایا گیا ہے کہ دس محرم یعنی یومِ عاشوراء کو کاروبار کرنے کی وجہ سے پورے سال رزق میں تنگی رہتی ہے۔ سال بھر کی تنگدستی اور

غربت سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس مقدس ماہ محرم میں بالعموم اور بالخصوص پہلے عشرہ میں کاروبار نہ کریں بلکہ کچھ وقت کے لئے کاروباری مشاغل کو موقوف کر دینا چاہیے اور محرم کے گزرنے کے بعد پھر معمولِ زندگی کو بحال کرنا چاہیے، یہ عقیدہ وخیال بے بنیاد اور باطل ہے کیوں کہ شریعت میں ایسی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسلام میں کوروبار کی ممانعت یا تجارت کی پابندیوں وغیرہ کا جو بھی تصور ہے وہ واضح اور بے غبار ہے لیکن اس میں یہ کہیں بھی نہیں۔ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بنیاد پر لوگ ان دنوں میں کاروبار بند کر کے ماتم اور نوحہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں جو گناہ ہے۔ غالبًا یہ نافرمانی اور شرعی رہنمائی سے منہ موڑنے کی سزا ہی رزق میں تنگی کا اصل سبب ہے۔

واقعہ کربلا کی غلط تشہیر: ماہ محرم الحرام میں عام دستور و رواج کے مطابق شہادت حسینؓ اور دیگر شہدائے کربلا کے متعلق اور ان کے مناقب وفضائل کو بیان کرنے کے لئے ایک انتہائی غلط طریقہ کار اپنایا جاتا ہے بلکہ واقعہ کربلا کی غیر ضروری تشہیر و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے جس میں سے مکذوبہ، موضوعہ، ضعیف اور من گھڑت داستانیں اور قصے بڑی رنگ آمیزی سے بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے نہ صرف باقاعدہ تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے بلکہ بازاروں، دکانوں، ریڈیو، ٹی وی اور آج کل سوشل میڈیا پر ٹرینڈ چلائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس عمل کو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان تقاریب میں شریک کرتے ہیں۔

افسوسناک پہلو: معزز سامعین کرام! اسلامی فکر کا یہ انتہائی افسوسناک پہلو ہے کہ جہاں ہمیں محرم الحرام کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر عبادت و رجوع الی اللہ میں مصروف ہونا چاہیے تھا وہاں مسلم معاشرے کی ایک بڑی تعداد رسوم و بدعات کی ادائیگی میں مصروف ہوتی ہے حالانکہ ان بدعات و رسومات کا دین وشریعت سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں اور ان کی ادائیگی میں سراسر نقصان اور ضرر پنہاں ہے۔ فصل میں صرف چند خاص بدعات و رسومات کا ذکر کیا گیا ورنہ تو ان کی تعداد شمار سے باہر ہونے کو ہے، انسانی معاشرے کو بدعت نے جس طرح بھاری نقصان پہنچایا اسی طرح رسم و رواج نے بھی نسل انسانی کی ارتقائی ترقی کو انتہائی سست رفتار بنایا۔

بدعات و رسومات سے اجتناب: رسم و رواج سماجی زندگی کی علامت اور تہذیب کے اجتماعی پہلوؤں کی عکاس ہوتے ہیں، رسوم ورواج نے ہمیشہ ذہنی رجحانات، تہذیب وثقافت، مذہبی عقائد اور طرز معاشرت کو متاثر کیا اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہمیں کم از کم ان بدعات و رسومات سے اجتناب کرنا چاہیے اور ان ایام میں عوام کو یہ مسئلہ سمجھانا انتہائی ضروری ہے کہ ان بدعات و رسومات سے حتیٰ الوسع اجتناب کریں۔

ادارہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا ''مکتوبات مشاہیر'' میں جناب اکرام اللہ شاہد صاحبؒ اوران کے والد حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار مرحوم کے متعلق تاثرات

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ''مکاتیب مشاہیر'' میں مکتوب نگار حضرات کا اپنے مخصوص اسلوب اور خوبصورت انداز میں ایسا مختصر اور جامع تعارف پیش کیا ہے جس سے مکتوب نگار کی شخصیت کے خدوخال اوران کے ظاہری و باطنی نقوش، ان کے کردار، افکار، عادات و اطوار موثر انداز میں ابھر کر قارئین کے سامنے آ جاتے ہیں، انہی تعارفی نوٹس میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے جناب اکرام اللہ شاہد صاحبؒ اور ان کے والد حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار صاحبؒ کے متعلق بھی ایک تعارفی حاشیہ لکھا تھا وہ موقع کی مناسبت سے نذر قارئین کیا جارہا ہے:

> '' مولانا مرحوم (حضرت مدرار اللہ مدرار صاحب) سرحد کے جید علماء میں سے تھے، تحریر وتصنیف اورصحافت پر کامل عبور ہفت روزہ ''نوائے ملت'' مردان کے مدیر اہم موضوعات بالخصوص تردید فرق باطلہ پر عالمانہ مقالات لکھتے رہے۔ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، ڈسٹرکٹ خطیب رہے، سیاست میں مسلم لیگی رجحان رکھتے تھے اور جمعیۃ علماء اسلام (مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ومفتی محمد شفیع رحمہ اللہ) سے تعلق تھا۔ان کے قابل ولائق فرزند جناب اکرام اللہ شاہد صاحب ہماری جماعت کے ٹکٹ پر ایم پی اے منتخب ہوئے اورصوبائی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر رہ کر کلمہ حق کہہ کر نفاذ اسلام کے لئے بھرپور نمائندگی کرتے رہے۔ ''الحق'' سے بے حد محبت اور دلچسپی تھی کئی اہم مضامین اور مقامات لکھے۔
>
> (مکتوبات مشاہیر: ج ۵، ص ۲۰۱۲)

ضبط وترتیب : مولانا شوکت علی حقانی
لائبریرین مکتبہ جامعہ حقانیہ

''نہضۃ العلماء'' انڈونیشیا کے چیئرمین اور سفیر صاحب کی جامعہ دارالعلوم حقانیہ آمد اور خطابات

(رپورٹ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی عالمی ،علمی اور تاریخی حیثیت کے پیش نظر الحمدللہ وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک سے معزز مہمانوں ، سفارتکاروں اور علمی شخصیات کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے۔ پچھلے ہفتے بروز ہفتہ ۱۳ اگست ۲۰۲۴ء کو ''نہضۃ العلماء'' انڈونیشیا کے چیئرمین ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب اور انڈونیشین سفارتخانے کے سفیر جناب رحمت ہندیارتا کوسوما صاحب تشریف لائے اور طلباء سے خطابات فرمائے۔ ذیل میں ان حضرات کے خطابات کی تلخیص نذر قارئین کئے جارہے ہیں:

● **جناب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب** (چیئرمین تنظیم نہضۃ العلماء)

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مجھے بہت خوشی ہورہی ہے کہ آپ کے نورانی چہروں کی زیارت کررہا ہوں، یہ میری خوش قسمتی وخوش بختی ہے، پاکستان عالم اسلام کی بہت بڑی اہمیت کا حامل ملک ہے اور انڈونیشیا بھی دنیا کا بڑا اسلامی ملک ہے ۔جامعہ دارالعلوم حقانیہ پاکستان کا قابل فخر ادارہ ہے جس سے ہر سال ہزاروں طلباء فارغ التحصیل ہوتے ہیں ، مجھے مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے بتایا کہ آخری سال (دورہ حدیث) میں پندرہ سو سے زائد طالب علم زیرتعلیم ہیں۔آپ سب عالم بن کر دین اسلام اور عالم اسلام کی خدمت کریں گے، میں انڈونیشیا کی سب سے بڑی اسلامی جماعت نہضۃ العلماء کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں اوراس جماعت کی بنیاد ۳۱ رجنوری ۱۹۲۶ء میں رکھی گئی۔اس جماعت کے بانی ایک اللہ والے بزرگ عالم دین اور محدث شیخ ہاشم تھے۔وہ بہت بڑے عالم تھے جنہوں نے برسوں مکہ مکرمہ میں پڑھا اور پڑھایا۔ یہاں دارالعلوم آکر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ میں انڈونیشیا ہی میں ہوں ،ہمارے مدارس اور آپ کے اس مدرسے کے

درمیان بہت مماثلت ہے۔ میں نے بھی وہاں ایسے ہی ایک مدرسے سے دس سال تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ہمارے مدارس کا نظام تعلیم بھی پاکستان کے مدارس جیسا ہے۔ ہم بھی اپنے مدارس میں درس نظامی کے علوم فنون جیسے حدیث ،تفسیر، فقہ ،اصول فقہ ،علم الکلام، منطق ،صرف ونحو وغیرہ پڑھاتے ہیں۔آپ کو اور آپ کی کتابوں کو دیکھ کر مجھے انڈونیشیا کا منظر یاد آیا۔فرق صرف مذہب کا ہے ہمارے ہاں مذہب شافعی ہے اور آپ کا حنفی لیکن دونوں کا منبع ایک ہی ہے اور وہ قرآن و سنت ہے۔دارالحدیث کے اس منظر نے مجھے بہت متاثر کیا لیکن بدقسمتی سے ہمارے اور آپ کے علماء کے درمیان رابطہ بہت کم ہے، ہماری آمد سے ان شاء اللہ مستقبل میں یہ رابطہ مضبوط اور مستحکم ہوگا، میں امید کرتا ہوں کہ ہماری بار بار باہمی ملاقاتیں ہوں اور اس تعلق کو جاری رکھیں گے۔ دارالعلوم کے اساتذہ و مشائخ انڈونیشیا کا وزٹ کریں اور وہاں کے مدارس اور نظام تعلیم کو دیکھیں۔ہم آپ کو انڈونیشیا میں خوش آمدید کہیں گے اور امید کرتے ہیں کہ ہمارا یہ آنا آخری نہیں ہوگا ان شاء اللہ آنا جانا رہے گا۔''

- **جناب رحمت ہندیارتا کوسوما صاحب (انڈونیشین سفیر)**

خطبہ مسنونہ کے بعد!

آپ سب عالم دین ہیں، آپ وارثان انبیاء علیہم السلام ہیں، آپ علوم نبوت کے وارث ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ لوگوں کا مرتبہ و مقام بہت بلند ہے، انڈونیشیا اور پاکستان کے مسلمانوں کا آپس میں بہت گہرا رشتہ ہے اور وہ رشتہ ہے اسلام اور دین کا کہ ہم ایک دین اور مذہب کے پیروکار ہیں اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ یہ تعلق اور بھی گہرا ہے، ان شاء اللہ یہ ہمارا پہلا دورہ نہیں ہوگا، ہم آتے رہیں گے، دوسری مرتبہ بھی ،تیسری مرتبہ بھی۔ آپ ایسا علم حاصل کریں جس کے ذریعے آپ پوری دنیا سے روابط استوار کرسکیں اور آپکا برتاؤ عالمی برادری کے ساتھ قائدانہ ہو آپ اپنی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر پوری دنیا میں دین کی اشاعت اور فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔امت مسلمہ کی آپ سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔تحصیل علم کے بعد آپ پوری دنیا میں دین کی روحانیت پھیلانے کی جدوجہد اور دین کی شمع روشن کرتے رہیں گے۔

- **محترم جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب (سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل)**

خطبہ مسنونہ کے بعد! محترم جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب نے نہضۃ العلماء انڈونیشیا کا

تعارف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''نہضۃ العلماء انڈونیشیا کی سب سے بڑی سماجی، فلاحی، رفاہی، علمی اور اصلاحی تحریک اور جماعت ہے، ان کے پاس وہاں کے بڑے بڑے اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز ہیں اس کے علاوہ ان کے پاس وہاں کے دینی مدارس بھی بہت کثیر تعداد میں موجود ہیں، وہاں بہت سارے تعلیمی ادارے یہ جماعت چلا رہی ہے، تعلیم کے علاوہ علاج ومعالجہ کے لئے وہاں بڑے بڑے ہسپتال بھی یہی تنظیم چلا رہی ہے، یہ جماعت وہ خدمات انجام دیتی ہے جو یہاں کے فلاحی تنظیمیں کررہے ہوتے ہیں، تعلیم، معاشرت اور سماجی سلسلے میں اس جماعت کی خدمات محتاج تعارف نہیں۔ تعلیم اور دیگر خدمات کے علاوہ یہ جماعت تربیت کے حوالے سے بھی اچھی شہرت رکھتی ہے اور اس حوالے سے ان کی خدمات قابل قدر ہیں جسے ہم شہری اخلاقیات کہتے ہیں کہ پڑوسیوں کے ساتھ تعلق کیسا ہونا چاہیے؟ اہل محلّہ کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہیے؟ عائلی زندگی میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ تعلق کیسا ہے یعنی شہری اخلاق کی تربیت بھی اس جماعت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

انڈونیشیا میں قانون سازی پر زور نہیں دیا جارہا ہے جیسا کہ پاکستان میں سارا زور قانون سازی پر صرف کیا جارہا ہے کہ اسلامی قانون نافذ ہو، اسلامی دفعات لاگو ہوں، ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو، ان کا نام اسلامی جمہوریہ انڈونیشیا نہیں بلکہ جمہوری انڈونیشن ہے، وہاں قانون اسلامی نہیں لیکن معاشرہ اسلامی ہے، شاید دفعات ان کا کم ہو، بدقسمتی سے ہمارا قانون اسلامی ہے لیکن معاشرہ اسلامی نہیں، ہم جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دہی کرتے ہیں، پڑوسیوں کو ضرر پہنچاتے ہیں لیکن وہاں کسی کو دھوکہ فراڈ اور ضرر کوئی نہیں دیتا، وہاں کسی پر کفر کے فتوے نہیں لگاتے، نہ کسی کا کھلے عام قتل کیا جاتا ہے، وہاں لوگ ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں ایک دوسرے کے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں، وہاں معمول ہے کہ اگر کوئی غریب اور تنگ دست ہے، معاشی طور پر کمزور ہے تو وہ کبھی بھی دست سوال دراز نہیں کرتے بلکہ اہل محلّہ اس کی معاشی ذمہ داری اٹھاتی ہے کہ وہ کسی طرح بھی بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہو جس طرح ہمارے ہاں شوبرا چوک یا چوک یادگار میں بلکہ ہر جگہ گداگروں اور بھیک مانگنے والوں کی بہتات ہے، انڈونیشیا میں ایسی صورتحال ہرگز نہیں، یہ نہیں کہ وہاں غریب اور کمزور لوگ موجود نہیں، غریب اور کمزور وہاں بھی یقیناً موجود ہیں لیکن وہاں معاشرتی سطح پر انفاق کے اصول وفروغ کا خیال رکھا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں قانون تو اسلامی ہے لیکن کاش! ایک ایسی جماعت بھی ہوتی جو معاشرتی سطح پر اصلاحی اور فلاحی خدمات میں سب سے آگے ہوتی، لوگوں کے لئے فلاحی خدمات انجام دیتی، ہسپتال

بنواتے، یہاں تو ہسپتالوں کے یہ حال ہیں کہ معمولی بخار کے علاج کے لئے اگر سرکاری ہسپتال کوئی جائے تو وہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں اور اگر پرائیویٹ ہسپتال جانا پڑے تو ایک معمولی سے علاج کے لئے کم از کم دس ہزار روپے آپ کے خرچ ہوں گے، اِدھر اُدھر کے ٹیسٹوں پر۔ انڈونیشیا میں اس طرح نہیں وہاں اگر معمولی علاج کے لئے ہسپتال جانا پڑا تو اس کے مطابق ایک دوا دے گا، یہ سب کچھ نہضۃ العلماء کی برکات ہیں، جو ان سے ہم سیکھتے ہیں، یہ ایک روایت پسند جماعت ہے، روایت پسند کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً گاؤں میں دور دور تک اذان ہو جب لاؤڈ سپیکر نہ تھا تو اذان کے بعد ڈھول بجا کر خبر دیتے تاکہ اگر کسی نے اذان کی آواز نہ سنی ہو تو ڈھول کے بجنے سے لوگ مسجد آئیں گے۔ وہ سب کچھ اب بھی برقرار ہے، انہوں نے اب بھی علاقوں میں یہ روایات برقرار رکھی ہے، اس جماعت کے رئیس نے گزشتہ روز ایک تحریر میں فرمایا کہ آپ کے لئے ایک سبق ہے:

لون الماء لون الانا یعنی برتن کا رنگ پانی کا رنگ ہے، اگر برتن کالا ہے تو پانی کالا نظر آئے گا، اگر برتن سرخ ہے تو پانی سرخ، اگر برتن سبز ہے تو پانی سبز آپ کو نظر آئے گا تو مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کی مثال پانی کی طرح ہے یہ جس علاقے میں پہنچے تو اسلام کی حقانیت جامعیت پر اور اصول یہ ہے کہ وہ اس روایت کے ساتھ مل کر ایک بہترین معاشرت تشکیل دیں گے۔ جس طرح آٹے میں نمک، اس لئے اسلام وہاں برقرار اور تاقیامت برقرار رہے گا لیکن جن مذاہب نے اس کا خیال نہیں رکھا تو وہ معاشرت سے نکلے ہیں اب ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم ہے لیکن اسلام کو اللہ نے رفعت اور دوام دیا ہے۔ محترم ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب نہضۃ العلماء کے سربراہ ہیں وہ آپ کے سامنے کچھ معروضات پیش کریں گے یہ تو ان کی انکساری ہے، ان کی حیثیت وہاں اس طرح ہے جس طرح پاکستان میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تھی، ان کی حیثیت انڈونیشیا میں اس طرح ہے جس طرح پاکستان میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی ہے جس طرح مولانا کی سیاسی قیادت ہے اسی طرح آپ کی انڈونیشیا میں ہے۔ آپ کی سیاست کا دیگر پہلو یہ ہے کہ آپ کے جو بڑے ڈاکٹرز، انجینئرز ہیں وہ ذاتی طور پر سیاسی طور پر سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں اور وہ ممبر بھی بن سکتے ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ اس جماعت کا جو صدر بنا تو وہ نابینا تھے دکتور عبدالواحد صاحب، اس کے بہترین اقوال ہیں، پھر آپ کے نائب امیر اولی الابصار صاحب ہیں جو انڈونیشیا کے نائب صدر بھی بنے، اب آپ کے ساتھ یہ مخاطب ہو کر آپ ان سے سیکھیں، آپ کو وہاں کے حالات سے آگاہ کریں گے، یہ ہمارے لئے بڑا اعزاز ہے کہ وہ آج ہم سے مخاطب ہو کر ہمیں استفادے کا موقع دیا۔

- **حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب** (نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد! سب سے پہلے فلسطینی تنظیم حماس کے سربراہ اسماعیل ہنیہ شہید کے ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی کے لئے سورت فاتحہ پڑھیں اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائے (آمین)۔ میں یہاں اس مبارک مجلس میں اپنے معزز مہمانوں کا جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی آمد اپنے اور جامعہ کے لئے ایک بڑا اعزاز سمجھتا ہوں، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی طرح نہضۃ العلماء کی بھی اپنے ملک انڈونیشیا میں بڑی خدمات ہیں، یہ جماعت انڈونیشیا کی سب سے بڑی مذہبی علمی، فلاحی واصلاحی تنظیم ہے اور اسکے اراکین کی تعداد کروڑوں میں ہے۔اس جماعت کے چیئرمین ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب کی حیثیت وہاں ایسی ہے جہاں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی تھی، یہ وہاں اپنی عوام کے بے لوث خدمات میں پیش پیش ہیں۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا انڈونیشیا کے ساتھ علمی و تعلیمی باہمی روابط جاری رہیں گے۔ہم انہیں یہاں آنے پر بار بار خوش آمدید کہتے ہیں۔

- **حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب** (صدر شعبہ تخصصات جامعہ حقانیہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد! ''نہضۃ العلماء'' کے چیئرمین جناب ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب، سفیر جناب رحمت ہندریار کوسوما صاحب، ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب، برادرم محترم جناب اسرار مدنی صاحب ان سب کا دل کی انتہاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی آمد سے ہمیں عزت افزائی بخشی۔ جناب چیئرمین صاحب کی آمد سے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور انڈونیشیا کے درمیان گہرے علمی روابط قائم ہوں گے۔ میں سفیر صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ چند دنوں میں دو مرتبہ جامعہ تشریف لائے، یہ باہمی محبت کا مظہر ہے۔

- **مولانا اسرار مدنی** (چیئرمین انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور)

مولانا اسرار مدنی نے مہمانوں کی تقریر کا لب لباب مختصر اور جامع الفاظ میں طلبہ کے سامنے پیش کیا اور انگریزی زبان میں دارالعلوم کے متعلق معزز مہمانوں کو بریف کیا۔اسی طرح مولانا مدنی صاحب نے جامعہ حقانیہ کا انڈونیشیا کے ساتھ علمی تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ طلبا کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں یہ تعلیمی سلسلہ اور باہمی رابطے اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اور ہم علمی ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتے ہیں۔

(قسط دوم)

مولانا راشد الحق سمیع
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''الحق''

سفر نامہ انڈونیشیا

انڈونیشین کی حکومت کی دعوت پر پاکستانی علماء، دانشوروں کا دورہ

جکارتہ کی تاریخ

جکارتہ انڈونیشیا کا دار الحکومت اور اس کا سب سے بڑا شہر ہے، یہ جزیرہ جاوا کے شمال مغربی ساحلوں پر 661.52 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، یہ تقریباً پانچ سو سال سے آباد ہے، اِس وقت دنیا کا نواں گنجان ترین شہر ہے اور ایشیا میں ٹوکیو شہر کے بعد یہ دوسرا بڑا آبادی والا شہر ہے جہاں 44283 افراد فی مربع میل بستے ہیں، جکارتہ شہر کا نام تاریخ میں تقریباً تیرہ مرتبہ تبدیل کیا جا چکا ہے، ٹریفک کے رش کے حوالے سے بھی جکارتہ دنیا بھر میں جانا جاتا ہے، یہ شہر میٹروپولیٹین ہے، اس شہر میں ۱۳۰ سے زائد شاپنگ مالز ہیں جن میں سے زیادہ تر دن رات کھلے رہتے ہیں۔ خوبصورت، حسین اور بلند وبالا عمارتوں سے یہ شہر آراستہ ہے، ہر طرف بہت سلیقے سے سبزہ کو بھی پھیلایا گیا ہے۔ یہ شہر بہت صاف اور ہر طرح سے جاذب نظر ہے۔ اس شہر کی حیران کن بات یہ ہے کہ یہ شہر مسلسل سالانہ 2.5 سینٹی میٹر کے حساب سے پانی میں ڈوب رہا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دلدلی زمین پر واقع ہے، سمندر اور دریاؤں کی کثرت اور سیلابوں کی آمد کی وجہ سے اس شہر کی قوت کم ہو رہی ہے۔ ماہرین کے اندازوں اور پیشنگوئیوں کے مطابق 2050 تک جکارتہ کا یہ عظیم شہر پچانوے فیصد پانی میں ڈوب جائے گا، اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے ماہرین ارضیات کی یہ تھیوری بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اُن کے مطابق ماضی میں کئی کئی ممالک بلکہ براعظموں کا جغرافیہ بھی حالات اور وقت کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور زمین کے مختلف خطے دھنستے اور نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

انڈونیشیا 142 آتش فشاں پہاڑوں والا منفرد ملک ہے جہاں سب سے زیادہ انسانی آبادیاں ان آتش فشاؤں کے قریب رہتی ہیں، ان میں سب سے خطرناک سلسلہ کراکوٹوا (Krakatoa) آتش فشاں جزیرے کا ہے جو متعدد بار پھٹ چکا ہے اس میں سب سے مشہور دھماکہ ۲۷/اگست ۱۸۸۳ء کو ہوا تھا اور جس میں چالیس ہزار کے قریب لوگ مر گئے تھے، 3100 کلومیٹر تک اس دھماکے کی آواز سنی

گئی تھی اور کئی مہینوں تک آسمان پر دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے اور پھر کئی مما لک میں اس کے اثرات محسوس کئے گئے۔اس کے علاوہ ماضی میں بھی انڈونیشیا کے سمندروں اور میدانی علاقوں میں ان آتش فشاں پہاڑوں نے بہت بڑی تبدیلیاں اور تباہیاں پیدا کی ہیں اور آج تک اس پراسرار سرزمین انڈونیشیا میں تعمیر وتخریب اور بنا وفنا کا عمل جاری ہے، پھران تبدیلیوں سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی ایسی عظیم طاقت موجود ہے جو زمین کے اوپر بڑے بڑے پہاڑ،غار، درّے، کنویں، دریا، سمندر، کھیت کھلیان وغیرہ بناتا ہے اور پھراس میں بڑی بڑی تبدیلیاں اور عروج وزوال کے مناظر و مظاہرِ قدرت اہلِ ارض کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے تاکہ ان پر اصل قوت کی حقیقت واضح ہو وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ''اور ہم نے زمین کو بچھا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ قائم کئے اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں'' وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ''اور زمین کو اس نے بچھا دیا مخلوق کے لئے''

۲۷ نومبر: وفد نے پہلے دن سب سے پہلے انڈونیشیا کی قومی یادگار مونومنٹ (مینار) کا وزٹ کیا، یہ کئی ایکڑ پر پھیلا ہوا پارک ہے اور آزادی چوک جکارتہ کے مرکز میں واقع ہے، اسے انڈونیشیا میں ایک قومی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے، وہاں کے پہلے صدر سوئیکارنو نے آزادیء انڈونیشیا کی جدوجہد کی کامیابی کی یاد میں ۱۹۶۱ء میں اسے بنایا تھا،اس کی اونچائی ۱۳۷ میٹر ہے، رات کے وقت یہ پورے شہر میں ایک روشن مشعل اور کسی جلتی آگ کی روشنیوں کے ساتھ ہر جگہ سے منور نظر آتا ہے۔میرے ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے بھی یہ صاف نظر آرہا تھا۔مجموعی طور پر یہ بہت خوبصورت جگہ ہے۔

صبح کے وزٹ کے بعد ظہر کو انڈونیشیا کی سول سوسائٹی اور خواتین کی تنظیموں Infid کے ساتھ ایک اہم نشست منعقد کی گئی تھی جس میں انڈونیشیا میں مذہبی اعتدال کے فروغ میں اسٹریٹجک کردار اور خواتین کی قیادت کے عنوان سے مسلم رہنماؤں کے ساتھ ایک بہت ہی نتیجہ خیز میٹنگ رہی۔ انڈونیشین خواتین کی طرف سے متعدد موضوعات پر چبھتے ہوئے سوالات بھی اٹھائے گئے اور انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کھل کر کیا جن کے موثر جوابات حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب، جناب ظفر اللہ خان صاحب اور جناب خورشید ندیم صاحب نے اطمینان بخش انداز میں انہیں دیئے۔ انڈونیشیا کی خواتین علماء کانگریس کی خاتون رہنما اور KUPI، محمد یہ اور نہضۃ العلماء کی اسپیکر، وزارت مذہبی امور کے ڈائریکٹر نے بھی اپنی بیٹیوں کو اس تقریب میں اپنے ساتھ شریک کیا تھا۔

مذاکرے میں خواتین کی تعلیمی قابلیت، وسیع مطالعہ، قرآن مجید ودیگر اسلامی تعلیمات پر انہیں کافی دسترس حاصل تھی، انڈونیشین معاشرے میں خواتین کو بہت زیادہ حقوق حاصل ہیں اور انہیں سڑک اوردکان میں مزدوری سے لے کر کھیل کے میدانوں، کاروباری سرگرمیوں، یونیورسٹیز اور پارلیمنٹ تک مکمل نمائندگی وآزادی کے حقوق حاصل ہیں۔ابتداء ہی سے انڈونیشین معاشرے میں بہت زیادہ مرد و زن کا اختلاط پایا جاتا ہے جس کے نقصانات اور اثرات پر میری مختصر رائے یہ ہے کہ صنف نازک عورت ذات خالق کائنات کی وہ لطیف اورخوبصورت تخلیق ہے، وجودزن سے ہی تصویرِ کائنات میں اس کے مختلف رنگ و روپ کے سلسلے قائم ہیں، ثناخوانِ تقدیسِ مشرق ومغرب کے شاعروں، ادیبوں، مصوروں اورافسانہ نگاروں کے نزدیک تو عورت کی زلف کے پیچ وخم میں ہستی کے سارے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں، دنیا کی چکاچوند اور جہانِ ہست و بود کی رونقیں عورت ذات کی بدولت ہیں، اِس کی ہنسی ومسکراہٹ کی تجلیوں کے باعث دنیا پراس کافسوں وسحر طاری ہے اوراسی کی مدہوش چال سے ستاروں میں توازن ہے، یہ لوگ ابتداء ہی سے عورت کے خمِ کاکل کی آرائش وزیبائش میں لگے ہوئے ہیں اورمصور حضرات تو عورت کے جلوہ زارِ آتش حسن کی حدت اورمحبوب کی ٹھوڑی کے نشان (چاہ زنخداں) میں ایسے مدہوش ہوکر گرے پڑے ہیں کہ شاید صبح قیامت کا شور ہی انہیں جگائے۔

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
فتنہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے

اور انہوں نے نجانے کیا کیا تشبہات واستعارات سے عورت کی تصویر میں رنگ بھرے ہوئے ہیں، موجودہ انسانی سوچ کے کاغذی پیرہن اور کینوس پر عورت کے خدوخال ہی ہر وقت مارکیٹنگ کے ذریعے نقش کئے جاتے ہیں۔حقیقت میں اس وفا کے پیکر سے ایثار وقربانی کی روشنیاں ہی پھوٹتی ہیں اوراسی کے ساز سے زندگی کا سوز دروں رواں دواں ہے مگر عورت ذات کا سب سے خوبصورت کردار اورعکس جمیل جو ہے وہ دفترِ ہستی میں ایک زرین ورق اور اہم باب کی مانند ماں کا روپ ہے، ممتا کی مقدس آغوش میں جو بات ہے وہ فردوسی شبستانوں میں بھی نہیں ہے۔خدا کی صفت رحمٰن اور رحیم کی خوبصورت تفسیر اور پرتو ماں کی مشفق شخصیت میں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ماں کے آگے باقی تمام کرداروں کی روشنی ماند اورکم پڑ جاتی ہے۔باقی رشتے بہن، بیٹی، بیوی، دادی، نانی، پھوپھی، خالہ وغیرہ وغیرہ بھی بہت میٹھے اورمقدس ہیں لیکن ماں کانقش وکردار

بہت پکا، انمٹ اور انمول ہے......

چلتی پھرتی ہوئی آنکھوں سے اذاں دیکھی ہے
میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے

انڈونیشیا اور دیگر جدید معاشروں اور خصوصاً مغربی ممالک میں عورت نے اپنے آنچل کو پھاڑ کر پرچم بنا تو لیا ہے اور ترقی کرتے کرتے مرد سے بھی سو منزلیں آگے بڑھ گئی ہے لیکن اس مجازی فتح و جیت میں یہ اندر سے شکست و ریخت اور ہار سے بھی حقیقت میں دوچار ہوگئی ہے۔ عورت کو جس بلندیوں کے مقام پر اسلام اور مشرق نے پہنچایا ہے اس کا مغرب والے تصور بھی نہیں کر سکتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک قول منسوب ہے کہ المراة ريحانة وليست بقهرمانة یعنی عورت پھول کی طرح ہے کسی قہرمان کی طرح نہیں مطلب یہ کہ عورتیں گھروں میں گلِ لطیف کی مانند ہیں، یہ تمہاری خادمائیں اور نوکرانیاں نہیں ہیں۔ مغرب نے عورت کو ترقی کے نام پر نسوانیت و انسانیت کے مقام سے بھی نیچے گرا کر بے حیائی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا ہے۔ آج کے عہد میں عورت تہذیب فرنگی میں محض ایک ''خوشنما اور خوبصورت سٹیکر'' کی حیثیت بن گئی ہے۔

ع بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار

جس کے استعمال اور تصاویر سے مارکیٹنگ اور پیداوار بنانے میں چند پیسوں کا فائدہ ہو جاتا ہے، اسی طرح مغربی تصورات نے عورت کو انسانی ہوس کا ایک عارضی ''کھلونا'' بھی بنا دیا ہے، مغرب میں عورت کے دیگر مقدس رشتوں اور اس کیساتھ نسوانی اقدار کی کوئی فکر و اہمیت نہیں۔ موجودہ حال تک عورت کو پہنچانے میں اٹھارویں صدی کے صنعتی انقلاب اور فرانس کے انقلاب کا کافی عمل دخل ہے، یورپ کے صنعتی انقلاب نے عورت کو گھروں سے باہر نکالنے پر مجبور کیا، مادیت کے حصول کی خاطر عورت اپنے جنت نما گھر، ممتا کے رشتے اور وفا شعار بیوی کی ساری عظمتوں کو چھوڑ کر مشینوں، چمنیوں اور بازاروں میں پہنچ گئی جسکے باعث مغرب کا خاندانی نظام برباد ہوکر رہ گیا ہے۔

28 نومبر: دوسرے دن صبح دس بجے مرکز محمدیہ کی طرف وفد کے شرکا کو لے جانے کا پروگرام بنا تھا، یہ اس ملک میں علماء کی بڑی موثر و منظّم جماعت ہے جو عقائد و نظریات میں اہل حدیث حضرات کے قریب ہے، اس قدیم اسلامی جماعت محمدیہ کی بنیاد 1912ء میں ڈالی گئی۔ عصر حاضر میں انڈونیشیا کے سیاسی و انتخابی نظام میں اس جماعت کے نمائندے اب کھڑے نہیں ہوتے۔ یہاں ان کے مرکز میں

نائب وزیر مذہبی امور سیف الرحمت، بسوقی صاحب، شیخ شفیق مغنی صاحب، مولانا سعد صاحبان وغیرہ سے مشترکہ موضوعات پر تفصیلی گفت وشنید ہوئی۔ پاکستانی وفد کی طرف سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب اور جناب خورشید ندیم صاحب وغیرہ نے اظہار خیال کیا۔

جماعت محمدیہ وہاں کے معاشرے میں اسلام کے خلاف مروجہ رسوم اور توہم پرستانہ عقائد کے خلاف کافی عرصے سے دعوتی ومعاشرتی لحاظ سے موثر کام کررہی ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے جدید خطوط پر اسکولز قائم کئے، یہاں پر جدید علوم وفنون بھی پڑھائے جاتے ہیں، اسی طرح یہ جماعت یتیم خانوں، ہسپتالوں اور متعدد سماجی وفلاحی خدمات بھی ملک میں اچھے انداز سے کرتی چلی آرہی ہے۔ انہی خدمات کی بدولت 1920 تک یہ جماعت وہاں کے معاشرے میں ایک بڑی موثر سیاسی وسماجی لحاظ سے تنظیم و جماعت بن کر ابھری اور آج تک اس کی خدمات کا دائرہ رواں دواں ہے۔

وفد نے آج دوسری ملاقات دنیا کی سب سے بڑی مذہبی تنظیم ''نہضۃ العلماء انڈونیشیا'' کے ذمہ داروں سے کی، شرکاء نے ان کے آفس میں دوطرفہ امور پر تفصیلی بات چیت کی اور ایک دوسرے سے باہمی استفادہ کیا، انڈونیشیا کی نوے فیصد مسلم آبادی میں ساٹھ فیصد لوگ اس تنظیم کے رکن ہیں، جس سے اس کی وسعت، کام کی فعالیت اور ترقی ومقبولیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس تنظیم کی یونیورسٹیز، کالجز، ہسپتال، سمیت دینی مدارس کا بھی ایک وسیع وعریض نیٹ ورک موجود ہے۔

''نہضۃ العلماء'' انڈونیشیا کی مذہبی تنظیم کے بارے میں ہمارے وفد کے سربراہ جناب خورشید ندیم صاحب نے بہت تفصیل کے ساتھ کئی کالمز لکھے ہیں اور بڑی باریک بینی اور گہرائی کے ساتھ ''نہضۃ العلماء'' اور انڈونیشیا کی دیگر سیاسی مذہبی جماعتوں کی کارکردگی، طریقہ کار اور اس کے سماجی ومعاشرتی کردار کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ گوکہ ان کے کچھ خیالات کے ساتھ اختلاف رائے کی گنجائش نکلتی ہے، دراصل پاکستان اور انڈونیشیا کے درمیان کئی چیزوں میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے، جغرافیہ سے لے کر سیاسی، سماجی، مذہبی، فقہی، تعلیمی، انتظامی اور تاریخی طور پر دونوں میں بڑا وسیع فرق پایا جاتا ہے، کچھ نہ کچھ دونوں ممالک ایک دوسرے سے ضرور باہمی استفادہ حاصل کرسکتے ہیں لیکن وہاں کے مخصوص حالات میں تیارکردہ مذہبی سیاسی جماعتوں کا نظام یہاں پاکستان پر منطبق کرنا کئی اعتبار سے مشکل ہے۔ بہرحال! مجموعی طور پر خورشید ندیم صاحب کے کالم میں بڑا جامع

اور چشم کشا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کو چاہیے کہ ان کالمز کا (جو روزنامہ ''دنیا'' میں شائع ہوئے ہیں) ضرور مطالعہ کریں۔

۲۷۔نومبر: جکارتہ شہر میں مسجد الاستقلال کے دورے کے لئے ہمارا پروگرام آج طے تھا۔اس عظیم الشان جامع مسجد کو دیکھنے کے لئے کافی وقت سے میرا دل بیتاب تھا کیونکہ اس کی طرز وتعمیر، خوبصورتی اور رقبے کے لحاظ سے اس کی وسعت کا بہت کچھ سنا تھا، لہٰذا ہم لوگ بذریعہ بس مسجد کے وسیع وعریض کئی ایکڑ پر پھیلے ہوئے احاطے میں داخل ہوئے۔ یہ رقبے کے لحاظ سے جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی مسجد ہے، اسے صدر سوئیکارنو نے ۱۹۷۵ء میں تعمیر کروایا تھا اور اسے عوام کے لئے ۲۲ فروری کو ۱۹۷۸ء میں کھولا گیا۔ مسجد کے مرکزی گنبد کا قطر ۴۵ میٹر ہے، یہ ہندسہ انڈونیشیا کی آزادی کے سال (۱۹۴۵) کے حساب سے رکھا گیا ہے، اس مسجد کے سات مرکزی دروازے ہیں، یہ مسجد چھ منزلہ ہے، یہ جامع مسجد الاستقلال دراصل انڈونیشیا کی استعمار ہالینڈ سے آزادی کی یادگار علامت کے طور پر تعمیر کی گئی تھی، ابھی کچھ عرصہ قبل اس کی دوبارہ تزئین وآرائش کی گئی ہے جس سے یہ بالکل نئی ہوگئی ہے۔ دنیا میں سب سے بڑے اسلامی ملک کی یہ سب سے بڑی مسجد ایک منفرد فن تعمیر کا شاہکار ہے، اس میں بیک وقت دو لاکھ افراد کے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔اس کا ایک مینار ۹۰ میٹر بلند ہے اور اسکی مرکزی عمارت دو بڑے گنبدوں پر مشتمل ہے۔ مرکزی ہال کا گنبد بارہ ستونوں پر بنایا گیا ہے اور بالکونی میں مزید پانچ ستون بنوائے گئے ہیں جو اسلام کے ارکین خمسہ اور انڈونیشین حکام کی پانچسیلا کی علامت ہے۔ گیٹ پر مسجد کے نائب امام اور اہم ذمہ داران نے ہمارا استقبال کیا۔ اندر جا کر امام مسجد سے ملاقات ہوئی چونکہ ظہر کی نماز ہوچکی تھی اور وقت ہاتھ سے جا رہا تھا لہٰذا شرکاء نے جلدی سے مہمانوں کے وضوخانوں میں وضو کیا، یہ وضو خانے بھی بہت خوبصورت، منفرد اور انتہائی صاف وشفاف بنائے گئے تھے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں بذریعہ سیڑھی اور لفٹ کے ذریعے راستے بنائے گئے ہیں۔

ہم لوگ جب ہال میں داخل ہوئے تو اس کی چھت اور خصوصاً اس کے منفرد خوبصورت بلند و بالا گنبد کو دیکھ کر انسان ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ یہ مسجد حسن و جمال، وسعت اور روحانیت کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ میرے ساتھ وفد کے دیگر ممبران بھی تھے، میں نے حضرت مولانا محمد طیب صاحب سے گزارش کی کہ آپ ہمیں جماعت کرائیں لیکن انہوں نے کہا کہ میں نے نماز ادا کرلی ہے۔ جناب ظفر اللہ خان صاحب نے راقم سے کہا کہ اب آپ ہی ہمیں نماز پڑھائیں

گے۔ ان کے حکم کی تعمیل میں الحمدللہ اس عظیم الشان تاریخی مسجد میں نماز ظہر پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مسجد کا محراب بہت خوبصورت ہے اس کے لئے شاہ سلمان بن عبدالعزیز (ولی عہد سعودی عرب) نے خانہ کعبہ کا غلاف جوملتزم کے اوپر لٹکا ہوتا ہے اس کا سب سے بڑا ٹکڑا ہدیہ کیا ہے، اس غلاف کعبہ پر سنہرے دھاگوں سے آیاتِ قرآنی کی خوبصورت کشیدہ کاری کی گئی ہے جو یہاں پر بہت ہی حسین لگ رہا ہے۔

نماز کے بعد میں نے مسجد کے ہال میں چکر لگایا اس کے خوبصورت ستونوں اور چھت پر اسٹیل سے بنے ہوئے منفرد کام کو دیکھا تو عش عش کر اٹھا۔ ماشاءاللہ فنِ کاری گری و ہنر مندی کا کمال یہاں پر اوج ثریا پر نظر آتا ہے۔ ان لوگوں نے خانہ خدا کی خوبصورتی اور زیب وآرائش کے لئے یہ کام اور خدمت اس طرح کی ہے جس طرح انسان عبادت کرتا ہے، اسی لئے نئی تزئین و آرائش (renovation) نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ فرش پر قالین بھی بہت جاذبِ نظر اور خوبصورت بچھایا گیا ہے، مسجد کے ہال میں درجنوں خواتین بھی نظر آئیں جن میں اکثریت بوڑھی خواتین تھیں اور وہ تلاوت ونوافل میں مصروف تھیں۔ انڈونیشیا کی مساجد میں خواتین بھی نماز کے لئے آیا کرتی ہیں اور مردوں سے زیادہ مذہب کے حوالے سے ان میں انہاک واستغراق نظر آتا ہے۔

مسجد کے مرکزی ہال کے وزٹ کے بعد نیچے لوئر گراؤنڈ میں امام مسجد پروفیسر ڈاکٹر نصرالدین عمر صاحب نے مہمانوں کو مسجد کے متعلق بریفنگ دی جس میں اس کے محل وقوع، اغراض ومقاصد اور دیگر کئی امور پر انہوں نے سیر حاصل گفتگو کی۔ نماز وعبادت کے علاوہ یہ جامع مسجد مختلف سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کا بھی مرکز ہے جس میں تعلیم وتعلم، تربیت، مذاکرے، مباحثے اور جدید کاروباری طریقے، بلاسود بینکاری اور متعدد دیگر کورسز بھی پڑھائے جاتے ہیں اور عورتوں، نوجوانوں اور بچوں کے لیے مختلف نوعیت کی تقاریب وغیرہ اس میں منعقد کی جاتی ہیں، خطیب صاحب نے مزید بتایا کہ دراصل ہم یہ مسجد کثیر المقاصد امور کے لئے استعمال کررہے ہیں، جس طرح محسن انسانیت ہادی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کو مسلمانوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں کے لئے ایک سیمبل اور نمونہ بنایا تھا، ہم اسی ماڈل کی پیروی کررہے ہیں۔

مسجد الاستقلال کے وزٹ پر جناب خورشید صاحب نے ایک بہت اچھا کالم ''مسجد یا سسٹم'' لکھا ہے جس سے قارئین استفادہ کرسکتے ہیں، اس کالم کے علاوہ بھی اُن کے دیگر کالمز بھی انڈونیشیا کے حوالے سے قابل مطالعہ ہیں، جن میں ''مذہبی سفارتکاری''، ''انڈونیشیا کا اسلام'' اور ''دوسرا

اسلام'' وغیرہ نمایاں ہیں۔امام وخطیب صاحب کی بریفنگ کے بعد جناب خورشید ندیم صاحب نے اپنے وفد کے اراکین کا تعارف کروایا اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ و جامعہ بنوریہ کے بارے میں انہیں ضروری معلومات فراہم کیں جس پر مسجد استقلال کے امام صاحب نے ہمیں آفر کی کہ آپ کی جامعات کے فارغ التحصیل خواتین وحضرات بھی یہاں پر مختلف کورسز کے لئے آ سکتے ہیں، ہم پاکستان کی ان دونوں جامعات کے ساتھ علمی تعاون کے لئے تیار ہیں جس پر میں نے ان کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔اس کے بعد دوطرفہ شیلڈز وغیرہ کا تبادلہ ہوا، راقم نے بھی کے پی کے کی روایتی سردیوں والی گرم ٹوپی (پکول) امام مسجد وخطیب صاحب کی خدمت میں پیش کی، جنہیں پہن کر وہ بہت خوش ہوئے، دراصل انڈونیشین لوگ ہماری اس گرم ٹوپی (پکول) کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔حرمین شریفین کے اسفار میں اکثر انڈونیشین حجاج مجھ سے اس ٹوپی کے بارے میں استفسار کرتے ہیں اور وہ بہت زیادہ اس میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اسی لئے میں نے اس سفر میں ان کے لئے اپنے سفری بکس میں یہ گرم ٹوپیاں رکھ دی تھیں اور تحائف کے طور پر ان میں یہ تقسیم کیں جس پر ان کا اظہار محبت وتشکر دیدنی ہوتا۔اس دوران امام مسجد وخطیب صاحب نے اپنے سیکرٹری سے کچھ کہا تو انہوں نے کچھ دیر بعد انڈونیشین روایتی ٹوپی جو''جناح کیپ'' سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے وہ منگوائی اور مجھے ہدیہ کرکے پہنائی، اس باہمی ٹوپیوں کے تبادلے پر سب شرکاء بھی بہت خوش ہوئے۔

مسجد کے وزٹ کے بعد ہمیں مقامی میزبان و انتظامیہ والوں نے مسجد کے سامنے بنے جکارتہ کے سب سے قدیم اور بڑے تاریخی چرچ دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے، مسجد اور چرچ کے درمیان انتظامیہ نے ایک بڑی زیرزمین سرنگ بھی بنائی ہے جس سے مہمانوں کو دوسری طرف بآسانی لے جاتے ہیں، درمیان میں ایک بڑی سڑک بھی ہے، وہاں پہنچ کر انہوں نے ہمیں اس چرچ کے متعلق تفصیل سے آگاہ کیا۔اس کا نام جکارتہ کیتھی ڈرل چرچ ہے اور 1890ء میں اسے نیدرلینڈ کی استعماری حکومت نے یہاں تعمیر کروایا تھا۔تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانے چرچ کو جکارتہ کے عین وسط میں بہت بڑے رقبے پر بنایا گیا ہے تو اسی لئے انڈونیشین حکومت نے آزادی کے بعد اس کے سامنے مسجد الاستقلال بنوائی ہے۔مختلف صورتوں میں صلیب و ہلال کی کشمکش صدیوں سے جاری ہے۔موجودہ حکومت کافی لبرل ہے اور وہ تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بھی ساتھ برابر چلا رہی ہے۔

بہرحال! جس وقت ہم مسجد کے وسیع سبزہ زار وغیرہ سے نکل رہے تھے تو اُسی دوران مینار

سے اذان عصر شروع ہوگئی مگر ہمارے سامنے چرچ تھا اور انتظامیہ ہمیں شیڈول کے مطابق کلیسا کو دکھانے کے لئے لے جارہے تھے، اچانک اس صورتحال پر جناب ظفر اللہ خان صاحب کو میں نے مخاطب کیا کہ حضرت! یہ تو غالب والی صورتحال سے ہمیں بھی دوچار ہونا پڑ گیا ہے۔

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

اس شعر پر جناب ظفر اللہ خان صاحب چونک پڑے اور انہوں نے اس برموقع و برجستہ شعر کے اظہار پر بہت خوشگوار خوشی کا اظہار کیا اور کافی دیر تک واہ واہ کرتے رہے اور خورشید ندیم صاحب کو بھی آواز دی کہ حقانی صاحب نے کیا برمحل شعر پڑا ہے۔ اس پر خورشید ندیم صاحب نے بھی مسرت کا اظہار کیا اور ہم سب اس صورتحال پر تبصرے وغیرہ کرتے رہے۔ غالب کی یہ شہرہ آفاق غزل مجھے بہت پسند ہے اور اس کے کئی اشعار حافظہ کی لوح پر محفوظ ہیں۔ واپسی پر بس میں دوران سفر مسجد اور کلیسا کے ایک جگہ پر بنانے اور صلیبی و مسلم دشمنیوں وعداوتوں اور آج کی موجودہ دلچسپ صورتحال پر یہ شعر کافی دیر تک زبان پر جاری رہا اس دوران غزل کے باقی اشعار بھی ذہن کے دریا میں موج در موج ابھرتے رہے اور زبان سے ادا ہوتے رہے۔ اس طویل غزل کے چند اشعار باذوق قارئین کی نذر کررہا ہوں:

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک — اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے — گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے — تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو خود بین و خود آراء ہوں نہ کیوں ہوں — بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے
پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا — کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے
ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام — مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے
ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے گے
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

ہم کلیسا کے مرکزی گیٹ میں داخل ہورہے تھے اور وہاں سے دو گوری (انگریز) خواتین سیاح باہر نکل رہی تھیں اس صورتحال پر جناب ظفر اللہ خان صاحب نے شکوہ نما طرحہ لگائی کہ دیکھو عیسائیوں کے چرچ سے تو زندہ ''حوریں'' نکل رہی ہیں اور ہم بیچارے وعدۂ فردا کے سہارے جی رہے ہیں، اس موقع پر زبان پر دفعتاً حضرت علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر یاد آیا......

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو مِلیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

معلوم نہیں کہ یہ بروقت اشعار کی آمد ہمدمِ دیرینہ دوستوں کی صحبت کا اثر تھا یا جکارتہ شہر کے فسوں ساز رنگینیوں یا کسی کے تصور اور رعنائی خیال سے اُس دن ذہن کے دریچے وا ہوگئے تھے......

از بزم جہاں خوشتر، از حور و جناں خوشتر
یک ہمدم فرزانہ وز بادہ دو پیمانہ

''دنیا کی محفل سے بہتر ہے حوروں وجنت سے بھی بہتر ہے، ایک عقلمند دوست کا ساتھ
اور دو پیانوں میں شراب''

اس دوران سفر کے ساتھیوں سے مختلف موضوعات پر کافی گپ شپ جاری رہی اور کئی ہم شریک سفر شرکاء نے اس موقع پر طرح طرح کے خیالات ومضامین باندھے، خصوصاً حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ تو کافی مرنجان مرنج ''اطیب'' طبیعت کے مالک ہیں، وہ بھی میرے استاد حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ کی طرح ہنس مکھ، بذلہ سنج اور خوش مزاج شخصیت کے مالک ہیں اور میری طبیعت اور خون میں بھی اللہ تعالیٰ نے شگفتگی اور خوش طبعی رکھی ہے جو حضرت والد صاحب شہیدؒ کے مزاج کا بھی حصہ تھا اور زیادہ عمل دخل اس میں حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ کی خوبصورت مجلسوں کا بھی اثر ہے تو انہی نسبتوں سے کبھی کبھی شوخی طبع زوروں پر ہوتی ہے......

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

یہاں اِس سفرنامے کے مختصر اوراق میں اُس تمام گفتگو ، حکایات وفکاہات کا لکھنا ''خوف فسادِ خلق'' کا باعث ہوسکتا ہے۔اس لئے ع قلم ایں جارسید وسر بشکست اور

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ

چرچ میں ہم سب لوگ داخل ہوئے ، یہ کافی پرانا اور خوبصورت چرچ ہے،اس میں کنکریٹ کے ساتھ لکڑی کا بھی بہت زیادہ کام ہوا ہے، اسٹیج پر بڑے بڑے بت نصب تھے اور آس پاس بھی قد آدم پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔اصل میں کلیسا کی تعمیر وترکیب میں بت سازی، پینٹنگز،موسیقی وغیرہ کا بڑا عمل دخل ہے اور یہ سلسلہ ورشتہ بہت پرانا اور گہرا ہے، پرانے مذہب عیسائیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے قریبی حواریوں میں تو ان چیزوں کا کوئی تصور نہیں تھا، بعد میں کئی صدیوں بعد عیسائیوں نے بت سازی اور پینٹنگز مذہب عیسائیت میں شامل کرادیں، یوں تو میں نے دنیا بھر میں کئی تاریخی اور بڑے قدیم چھوٹے بڑے چرچ دیکھے ہیں اور اکثر مجسموں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں،لیکن ان میں فن کے حوالے سے جو شہرت عالمی شہرہ آفاق اطالوی مجسمہ ساز مصور،انجینئر وشاعر مائیکل اینجلو (۱۴۷۵۔۱۵۶۴) کو حاصل ہے شاید ہی وہ دنیا کے کسی دوسرے مجسمہ ساز اور مصور کو حاصل ہو۔اس نے عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی شہر ویٹیکن سٹی اور پیرس کے لوئی میوزیم میں رکھے گئے مجسموں اور پینٹنگز میں جو محنت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں،روئے زمین پر اُس سے بہتر کوئی نہ بنا سکا ہے اور نہ آئندہ کوئی بنا سکے گا ، یہ فن وہنر کے اعتبار سے بہت نایاب ہیں،اس نے پتھر کے مجسموں میں انسانی رگوں کو بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے اور چہروں کے مدوجزر ، مسکراہٹوں اور ماتھے اور کپڑوں کی شکنوں تک کو واضح کیا ہے جسے دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے، اس کے بعد شرکاء ہوٹل کے لئے روانہ ہوگئے ، راستے میں شہر کے معروف شاپنگ مالز آرہے تھے لہٰذا ہم سب لوگ یہیں اتر گئے ، کچھ دیر گھومنے پھرنے کے بعد ہوٹل واپس پہنچ گئے اور مغرب کی نماز کے بعد طبیعت ناسازی طبع اور تھکاوٹ کے باعث بہت بوجھل ہوگئی تھی ،دو گھنٹے نیند کے بعد جب آنکھ کھلی تو کافی دیر ہوچکی تھی۔ (جاری ہے)

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی
نگران شعبہ تخصص فی التفسیر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور جمعیۃ التضامن الاسلامی مغربی افریقہ کے درمیان تعلیمی معاہدہ

جمعیۃ التضامن الاسلامی مغربی افریقہ کے قدیم تعلیمی اور دعوتی تنظیم ہے جس کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں گیمبیا میں رکھی گئی، جمعیت کا میدان عمل گیمبیا، گنی، بساؤ اور سینگال مغربی افریقہ کے ممالک ہیں، جمعیت کے مؤسس معروف داعی شیخ حطاب بوجانگ (متوفی ۱۹۸۴ء) ہیں، اس تنظیم کے ذیلی ادارے بھی ہیں جو کہ دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت اور فلاح و بہبود کے میدانوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، یہ تنظیم وہاں کی اسکولوں اور مدارس کی نگرانی بھی کرتی ہے جس طرح ''وفاق المدارس العربیہ'' کی تنظیم پاکستان میں کرتی ہے، یہ تنظیم مدارس کے لئے اساتذہ کی تقرری، درسگاہوں کی تعمیر، علمی اور دعوتی کانفرنسوں کا انعقاد، تعلیم بالغان کے لئے کلاسوں کا انعقاد، تاجروں اور زمینداروں کی تربیت کا اہتمام بھی کرتی ہے۔

۲۸ جنوری کو جمعیۃ التضامن الاسلامی کے صدر شیخ محمد امین توری اور گیمبیا کے سپریم اسلامی لیڈر جنہیں سرکاری طور پر مذہبی امور کے وزیر کا عہدہ بھی حاصل ہے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، ان کے پاکستان دورہ کے محرک و میزبان پیر سید زاہد شاہ گیلانی صاحب تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم قرآن عام کرنے کا ذوق بلکہ عشق عطا فرمایا ہے، خود بھی پاکستان کے دور دراز علاقوں میں سفر کرتے ہیں اور قرآن سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دیتے ہیں، اسی غرض سے ان کا مغربی افریقہ کے ممالک میں بھی اسفار ہوتے رہتے ہیں، دو ممالک سینگال اور گیمبیا کے سفر میں احقر راقم الحروف اور برادرم مفتی سخی بہادر حقانی صاحب بھی ہمراہ تھے، ان کے داماد سید مقبول شاہ گیلانی صاحب بھی ہم سفر تھے، مہمانوں کے اصل میزبان یہ حضرات تھے، انہوں نے مہمانوں کو کراچی، ملتان، فیصل آباد، گوجرانوالہ اور پشاور کے مدارس مراکز اور ختم نبوت کے دفاتر کا دورہ کروایا، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں ان کی آمد مہمانوں کی ترجیحات میں سرفہرست تھا، انہوں نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا نظام تعلیم کا غور سے جائزہ لیا، درسگاہوں، دفاتر اور دارالحدیث کا دورہ کیا۔ شیخ عیسیٰ صاحب (وزیر مذہبی امور) تعلیمی لحاظ

سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھتے اور امتحانات کا نظام بھی معلوم کیا، احقر نے ایک ایک چیز کے بارے میں انہیں تفصیل سے آگاہ کیا اور انہیں خصوصی بریفنگ دی۔

محترم جناب پیر سید زاہد شاہ گیلانی صاحب کی خواہش اور کوشش تھی کہ ان کا دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ تعلیمی معاہدہ ہو جائے جس کے تحت یہاں سے اساتذہ قرآن وحدیث کی تعلیم عام کرنے کے لئے وہاں جائیں، اسی طرح شیخ عیسیٰ صاحب کی بھی خواہش تھی کہ گیمبیا اور مغربی افریقہ کے دیگر ممالک میں بھی پاکستان کے مدارس کی طرح دورہ حدیث کا اہتمام ہو، انہوں نے کئی دفعہ اس خواہش کا اظہار بھی کیا اور تعاون کی درخواست بھی کی۔ وفد جب واپس گیا تو وہاں بھی اپنے حلقے میں مشورے کئے اور پھر جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شعبہ تخصصات کے مشرف وسرپرست اور مدیر ''الحق'' حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب سے احقر کے ذریعے رابطہ کیا اور معاہدہ کے بارے میں بتایا تو انہوں نے بطیّب خاطر آمادگی کا اظہار کیا اس کے بعد پھر پیر سید زاہد شاہ گیلانی صاحب گوجرانوالہ سے تشریف لائے اور مولانا راشد الحق سمیع صاحب سے اس سلسلے میں ملاقات کی، معاہدہ پیش کیا اور اس کی تفصیلات پر دو طرفہ باہمی تبادلہ خیال کیا گیا۔ معاہدہ عربی میں لکھا گیا تھا جسے پڑھ کر مولانا راشد الحق سمیع صاحب نے اتفاق کرتے ہوئے معاہدہ پر دستخط کئے۔ معاہدہ کے مندرجات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پہلی شق: تمہید

(۱) مختلف شعبوں میں کام کرنے والے عالم اسلام کے علماء اور اسلامی اسکالرز کے درمیان افہام و تفہیم اور علمی تعاون کی اشد ضرورت ہے تاکہ علماء کی صفوں میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہو۔

(۲) اسلامی علوم اور عربی علوم وفنون کو پھیلانے کی کوششوں کو موثر طریقے سے مربوط بنانا اور اسے وقت کی ضرورت تسلیم کرنا۔

(۳) جمعية التضامن الاسلامی کی طرف سے مغربی افریقہ میں تعلیمی خدمات جو درحقیقت قرآن اور سنت نبویؐ پر مبنی صحیح عقیدہ کی تعلیم دینے میں کردار ادا کر رہا ہے، بشمول اسلامی مدارس اور تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کر رہا ہے جس کا نیٹ ورک گیمبیا، گنی اور بساؤ میں فعال ہے۔

(۴) پاکستان اور پڑوسی ممالک میں اسلامی علوم اور عربی زبان کو پھیلانے میں دارالعلوم حقانیہ کے کردار اور علوم حدیث کی عظیم خدمات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

(۵) دونوں فریقوں کے درمیان شراکت اور تعاون کے اصول کی تکمیل کے لیے جو کردار ادا کیا

گیا ہے اس میں تعلیم کے میدان میں شراکت داری اور تعاون دونوں کے لئے اہم ہے۔

(۲) دونوں فریق اپنے درمیان مکمل معاہدے اور ہم آہنگی کے ساتھ آگے بڑھیں گے تا کہ اس معاہدے کے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے عام پالیسی قائم کرے اور معاہدے میں کام کے طریقہ کار کا تعین کریں گے۔

دوسری شق: معاہدے کے مقاصد

(۱) اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اسلامی اخوت کو مضبوط کرنا انما المومنون اخوة ''درحقیقت مومن آپس میں بھائی ہیں۔''

(۲) اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تعاون کو مضبوط کرنا تعاونوا علی البر والتقویٰ اور نیکی، تقوی کے سلسلے میں جمعیة التضامن الاسلامی اور دارالعلوم حقانیہ کے درمیان تجربات کے تبادلے میں تعاون کرنا۔

حقانیہ اور اسلامی یکجہتی سوسائٹی، مغربی افریقہ

(۳) علمی سائنسی اور ثقافتی تعاون کے ذریعے گیمبین اسکالرز اور پاکستانی اسکالرز کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانا۔

(۴) گیمبیا اور پاکستان میں کام کرنے والے افراد اور اداروں کی تعلیمی اور اسلامی بیداری کی کوششوں کو مربوط کرنے کے لیے کام کرنا۔

(۵) علوم حدیث کی خدمت میں تعاون اور ان میں علماء کی تربیت کا اہتمام کرنا۔

(۶) ختم نبوت کے میدان میں علم وتحقیق کے فروغ میں تعاون کرنا۔

(۷) تعلیم بالغاں کے شعبے میں اساتذہ کی استعداد کار اور طریق کار بڑھانے کے شعبے میں تعاون کرنا۔

دونوں فریقوں کے درمیان تعاون افہام وتفہیم اور نیک نیتی کے جذبے پر مبنی ہے جو ان کے درمیان دوستی کے بندھن کو مضبوط بنانے اور ہر فریق میں موجود صلاحیتوں اور نظام کے مطابق تعاون کو فروغ دے گا۔

تیسری چیز: تعاون کے شعبے

درج ذیل شعبوں میں ایک پارٹی خدمات سرانجام دے گی۔

(۱) تعلیم کے میدان میں اعلی ترین سطح کی تحقیق اور کارکردگی کے اعلیٰ معیار کو حاصل کرنے کیلئے تجربات کا تبادلہ کرنا۔

(۲) گریجویٹ طلباء کے لئے تعلیمی میدان میں طلباء کے لئے وظائف کے تبادلے میں تعاون

(۲) علم، تجربے اور طرز عمل کو بہتر بنانا۔

(۳) افریقی معاشروں میں بالخصوص گیمبیا میں تعلیم بالغاں کے شعبے میں اور پڑوسی ممالک میں دونوں جماعتوں کے اہل علم کے درمیان شراکت داری کے ذریعے تعاون کرنا۔

(۴) تعلیم بالغان کے لیے نصاب اور نصابی کتب کی تیاری کے شعبے میں تعاون کرنا۔

(۵) جمعية التضامن الاسلامی ویسٹ افریقہ گیمبیا کے علماء اور پاکستان میں دارالعلوم حقانیہ کے علماء کے درمیان دوروں کا اہتمام کرنا۔

(۶) دونوں فریق پاکستان، گیمبیا اور بیرون ملک علم وتعلم کو فروغ دینے کے لیے باہمی دلچسپی کے کسی دوسرے شعبے میں تعاون کرنا۔

(۷) دونوں جماعتیں خاص طور پر پاکستان اور گیمبیا میں تعلیمی علوم کو فروغ دینے کے لیے مختلف پروگراموں اور سرگرمیوں میں تعاون کریں گی۔

(۸) دونوں فریق اس معاہدے کی شرائط کو نافذ کرنے کے لیے میکانزم کی تفصیلات تیار کرنے کے لیے کام کریں گے۔

شق چار: مالی ذمہ داریاں

اس معاہدے پر دستخط، یا تعاون کے متذکرہ شعبوں میں سے کسی کے نفاذ پر، کوئی قانونی ذمہ داری یا مالی بوجھ نہیں پڑے گا اور اگر اس کی ضرورت ہے تو یہ ایک آزاد معاہدے کے ذریعے کیا جائے گا، یہ ہر پارٹی کی ذمہ داریوں، حقوق اور ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے۔

خلاصہ

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور جمعية التضامن الاسلامی کے مابین طے پایا کہ تعلیم کے میدان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے، جامعہ دارالعلوم حقانیہ قرآن کریم اور احادیث نبویہؐ ہی کی تدریس کے لئے اساتذہ مہیا کرے گا جو کہ مغربی افریقہ میں خدمات سرانجام دیں گے جبکہ جمعية التضامن الاسلامی درسگاہیں، طلباء اور تعلیم بالغاں کے شعبے میں افراد مہیا کرے گا، جامعہ دارالعلوم حقانیہ افریقی علماء کو تدریسی مہارتوں کی تربیت دے گا اور ختم نبوت کے متعلق شعور وآگاہی دینے کے مختلف پروگرامز کا انعقاد کرے گا۔

جناب ایم ابراہیم خان
کالم نگار روزنامہ ''جسارت'' کراچی

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں ماحول کی تباہی

انسان نے ہزاروں برس کے دورانیے میں قدرتی ماحول کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا، صرف سو سال کے عرصے میں جو کچھ بھی روئے ارض پر ہوا ہے وہ اس قدر خطرناک ہے کہ اب اس کے نتائج دیکھ کر دل دہل رہے ہیں، جو کچھ بھی اس کائنات کے خالق نے ہمارے لئے محفوظ کر رکھا تھا وہ ہم نے محض استعمال نہیں کیا ہے بلکہ ضائع بھی کیا ہے، اس ضیاع کے بطن سے ایسی خرابیاں ہویدا ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر دل و دماغ قابو میں نہیں ہیں تو اِس پر افسوس تو ہوسکتا ہے، حیرت کا محل نہیں، سبھی کو اندازہ تھا کہ ایسا ہوگا اور ہو رہا ہے، قدرتی وسائل کو بے ذہنی سے بروئے کار لانے کی ذہنیت انسان نے سو سے ڈیڑھ سو سال میں پروان چڑھائی ہے، اِس کی بہت سی وجوہ ہیں، ایک بڑا سبب تو اس کا یہ ہے کہ دنیا کی آبادی مسلسل بڑھتی گئی ہے، آبادی کا بڑھنا آج بھی وسائل کے تناسب سے بہت زیادہ پریشان کن نہیں تاہم مسئلہ یہ ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے تناظر میں اپنی سوچ کو بدلنے پر توجہ نہیں دی گئی، یوں ایسا بہت کچھ ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا، دنیا بھر میں قدرتی وسائل کو اپنے مفاد کیلئے بروئے کار لانے کی ذہنیت اصلاً خودغرضی پر مبنی رہی ہے، انسان صرف وقتی فائدہ دیکھتا ہے اور وہ بھی محدود پیمانے پر، اِسے کہتے ہیں اپنی چند بوٹیوں کیلئے پورا بکرا ذبح کر دینا، دنیا بھر میں ماحول تہس نہس ہوکر رہ گیا ہے، ترقی یافتہ ممالک نے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہے، وہاں بیشتر معاملات میں کوئی نہ کوئی نظام کام کر رہا ہے، ترقی پذیر ممالک نے اس معاملے پر پوری توجہ تو نہیں دی تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں معاملات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، پسماندہ ممالک کا حال بہت برا ہے، وہ کسی گنتی ہی میں نہیں، اِن ممالک میں معاشی امکانات کی تلاش انسان کو ماحول کی تباہی کی طرف لے جانے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتی، پسماندہ ممالک میں قدرتی وسائل کو معاشی فوائد کیلئے بروئے کار لانے کی ذہنیت اس قدر پنپ چکی ہے کہ اس کے نتیجے میں عدم توازن کے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

ماحول کو شدید عدم توازن سے دوچار کرنے میں انسان کا کردار انتہائی گھناونا رہا ہے، دنیا بھر میں قدرتی وسائل کو بے دردی سے استعمال کر کے محدود، ذاتی نوعیت کے معاشی فوائد بٹورے جا رہے ہیں، عمومی انفرادی سطح پر تو کوئی کیا سوچے گا، بیشتر معاملات میں حکومتیں بھی اس حوالے سے شدید بے حسی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتی دکھائی دیتی ہیں، قدرتی وسائل پر مبنی نظام کو انگریزی میں ایکوسسٹم کہا جاتا ہے، جس طور کسی انسان کے جسم میں تمام نظام ڈھنگ سے کام کریں تو انسان ڈھنگ سے جی پاتا ہے بالکل اسی طور ایکوسسٹم کے تمام حصے بھی اپنے اپنے حصے کا کام ڈھنگ سے کرتے رہیں تو دنیا ڈھنگ سے چل پاتی ہے، انسان نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ جو کچھ قدرت نے بخشا ہے وہ سوچے سمجھے بغیر جتنا چاہو استعمال کرو، قدرت کی فیاضی تو ختم ہونے والی نہیں، قدرت کی فیاضی ختم نہیں ہوسکتی مگر قدرت نے اپنی فیاضی سے مستفید ہونے کے جو اصول مرتب کر رکھے ہیں ان پر کاربند رہنا تو بہرحال لازم ہے، اِن اصولوں کو نظر انداز کرنے کی صورت میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ محض افراد کو نہیں بلکہ پوری پوری قوم کو لے ڈوبتی ہیں، یورپ کے صنعتی انقلاب کے نتیجے میں مشینی دور شروع ہوا، مشین چونکہ ایندھن سے چلتی ہے اس لئے ایندھن کے استعمال کے نتیجے میں دھواں پیدا ہونے لگا اور یوں ماحول کے لئے خرابیاں بڑھتی گئیں، کم و بیش ڈیڑھ سو سال کے دوران انسان نے زمین سے تیل نکال نکال کر اسے دھویں میں تبدیل کیا ہے، یہ دھواں خلا میں تحلیل نہیں ہوا بلکہ اِسی ماحول کا حصہ بن کر اِسے نقصان پہنچاتا رہا ہے، کہیں کسی جگہ چند گاڑیاں محض تھوڑی سی دیر کے لئے دھواں چھوڑیں تو سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے، ذرا سوچئے کہ سو سال سے بھی زائد مدت سے دنیا بھر میں لاکھوں گاڑیاں مستقل دھواں اگلتی رہی ہیں تو اِس کے نتیجے میں ماحول کیلئے کتنی خرابیاں پیدا ہوئی ہوں گی؟ انسان نے ماحول سے جو سلوک روا رکھا ہے اس کے نتائج اب کھل کر سامنے آچکے ہیں، ایک طرف دھویں کی آمیزش سے ماحول کو شدید نقصان پہنچتا رہا ہے اور دوسری طرف ماحول کو سلامت رکھنے کے معاملے میں بھی بے حسی اور بے نیازی نمایاں رہی ہے، یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ ماحول کو جو بھی نقصان پہنچ رہا ہے اس کا ازالہ خود بخود ہوجائے گا یعنی ماحول اپنی تمام خرابیوں کو خود ہی دور کرلے گا مگر ایسا نہ ہوسکا کیونکہ قدرت کا نظام ایسا ہے ہی نہیں۔

دنیا بھر میں گاڑیاں جس قدر دھواں اگل رہی تھیں اس کے پیشِ نظر وسیع پیمانے پر شجر کاری لازم تھی، زیادہ سے زیادہ شجر لگائے جاتے تو دھویں کے شدید منفی اثرات سے بہت حد تک بچاؤ ممکن ہوسکتا تھا، شجر کاری انسان کی ترجیحات میں کبھی نمایاں نہیں رہی، ہاں! قدرت نے ہمارے لئے جو

جنگل کھڑے کر رکھے تھے ان کے درخت کاٹ کاٹ کر اپنی اپنی جیبیں بھرنے کا چلن عام رہا ہے، جنگلات کا رقبہ گھٹنے سے ماحول میں شدید عدم توازن پیدا ہوا ہے اور اِس کے نتیجے میں ایک طرف بارشوں کا نظام متاثر ہوا ہے اور دوسری طرف سیلابی ریلے اب شہری علاقوں کو بھی نہیں بخش رہے، چند برسوں کے دوران اربن فلڈ ینگ کی اصطلاح عام ہوئی ہے، اربن فلڈ ینگ یعنی شہری علاقوں میں سیلابی کیفیت، قدرتی وسائل اس لئے ہوتے ہیں کہ ہم ان سے مستفید ہوں اور اپنی زندگی کا معیار بلند کریں مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ وسائل سوچے سمجھے بغیر استعمال کئے جاتے رہیں اور جواب میں ان کی صلاحیت وسکت برقرار رکھنے کیلئے کچھ نہ کیا جائے، انسان نے ایک صدی کے دوران جس طور ماحول کو برتا ہے اس کے وہی نتائج نکل سکتے تھے جو نکل رہے ہیں، عالمی سطح پر درجہ حرارت بڑھتا ہی گیا ہے، جنگلات کی کٹائی، شجر کاری کے کمزور رجحان، زرعی اراضی کی سکت کے کمزور پڑنے اور جنگلی جانوروں کیلئے قدرت کی طرف سے پروان چڑھائے ہوئے ٹھکانوں کی تباہی سے پوری دنیا کے ماحول کیلئے جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہ اب انسان کیلئے حقیقی دردِ سر کی شکل اختیار کرچکی ہیں، ماحول کے گرم ہونے سے بہت کچھ بدل چکا ہے، بارشوں کا نظام کچھ کا کچھ ہوگیا ہے، کہیں اچانک بہت زیادہ بارشیں ہوجاتی ہیں اور کہیں ایک مدت تک ایک بوند نہیں برستی، ڈھائی تین ماہ قبل متحدہ عرب امارات میں ایسی بارشیں ہوئیں کہ لوگ نتائج دیکھ کر کانپ اٹھے، دنیا کے جدید ترین شہروں میں شمار ہونے والا دبئ ڈوب گیا، یہ تصور کرلیا گیا تھا کہ دبئ اور اس سے ملحق چھوٹی شہری ریاستیں علاقائی جنت ہیں مگر اِن بارشوں نے دبئ کا وہ حال کیا کہ یو اے ای کی حکومت کے لئے لازم ہوگیا کہ دبئ میں بارشوں سے ہونے والی تباہی کی وڈیوز پھیلانے پر پابندی عائد کرے، یو اے ای کی حکومت نہیں چاہتی تھی کہ دنیا کو بارش کے ہاتھوں دبئ کی حالتِ زار کا پتا چلے، ایسی صورت میں وہاں سرمایہ کاری بھی متاثر ہوسکتی تھی اور سیاحت پر بھی شدید منفی اثرات مرتب ہوسکتے تھے۔

پاکستان سمیت متعدد ممالک میں غیر متوقع بارشوں کے ہاتھوں تباہی واقع ہوتی رہی ہے، پاکستان میں ڈیڑھ عشرے کے دوران کئی مواقع پر غیر متوقع موسلا دھار بارشوں نے ایسی تباہی مچائی ہے کہ لوگ دہل کر رہ گئے ہیں، ۲۰۱۹ء میں کراچی میں ایسی بارش ہوئی کہ محض چند گھنٹوں میں پورا شہر زیرِ آب آ گیا اور لاکھوں افراد اپنے اپنے مقاماتِ کار سے واپس آتے ہوئے راستوں میں پھنس کر رہ گئے، ایسی بارش کسی نے دیکھی تو کیا، سوچی بھی نہ تھی، کراچی کے متعدد علاقے شدید خرابی سے دوچار ہوئے اور وہاں جمع ہونے والا پانی ہفتوں کھڑا رہا، پانی کی نکاسی کا نظام نہ ہونے کے باعث دھوپ

سے پانی کے بھاپ بن کر اڑنے کا تماشا دیکھنے کے سوا چارہ نہ تھا، اس سے قبل سندھ میں مسلسل دو سال تک ایسی بارشیں ہوئیں کہ کئی علاقے سیلاب کی نذر ہوئے، لاکھوں افراد بے گھر ہوئے اور ان کی بحالی کے نام پر یارلوگ اب تک اپنی جیبیں بھرنے میں مصروف ہیں، ایسا صرف پاکستان میں نہیں ہوا، جنوبی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں غیر متوقع موسلا دھار بارشوں نے ایسی تباہی مچائی ہے کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے ہیں، کبھی کبھی یورپ میں بھی بے موسم کی بارشیں ہوئی ہیں اور کئی مقامات پر اربن فلڈ ینگ رونما ہوئی ہے، فرانس، اسپین، جرمنی، اٹلی اور چند دوسرے ممالک میں بے موسم کی بارشوں نے ایک عشرے کے دوران غیر معمولی تباہی کی راہ ہموار کی ہے۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ جو کچھ قدرت نے ہمارے لئے لاکھوں سال سے سنبھال کر رکھا تھا وہ ہم نے اپنے معاشی مفادات کیلئے بروئے کار لاتے ہوئے پورے ماحول یعنی ایکو سسٹم میں شدید عدم توازن پیدا کر دیا ہے، اس عدم توازن کے نتیجے میں حیاتیاتی تنوع بھی متاثر ہوا ہے، بہت سے جانور اب معدوم ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں، پرندوں، چرندوں اور درندوں کی متعدد نسلیں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہیں، جنگلات کا رقبہ بہت کم رہ جانے اور شہروں میں شجر کاری نہ کئے جانے کے نتیجے میں لاکھوں پرندوں کو گھونسلے بنانے کی جگہ نہیں مل پا رہی، شہری ماحول اس قدر کثیف ہے کہ اس میں پرندوں کے بسنے کی گنجائش ہی نہیں رہی، کہیں کہیں درخت ہیں بھی تو دھویں کے اثرات سے اٹے ہوئے، پانی نہ دیے جانے کے باعث شہری علاقوں کے درخت بھی نیم جان سے ہیں، ماحول میں بڑھتی ہوئی گرمی انتہائی سرد خطوں کو بھی متاثر کر رہی ہے جو علاقے ہر وقت برف کی دبیز چادر اوڑھے رہتے تھے وہ بھی اب ماحول کو پہنچنے والے نقصان سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے، ماہرین نے برسوں کے تجزیے کی روشنی میں بتایا ہے کہ انتہائی سرد خطوں میں پہاڑوں پر اور گلیشیرز میں جمی ہوئی برف کی تہیں اب کمزور پڑ رہی ہیں، برف کے جمے رہنے کی میعاد گھٹ رہی ہے، یہ سب کچھ ماحول کے گرم ہوتے رہنے کا نتیجہ ہے، برف کے جمے رہنے یا اپنے آپ کو برقرار رکھنے کی سکت میں رونما ہونے والی کمی سے تیز رفتار پگھلاؤ واقع ہو رہا ہے، برف کے پگھلنے کی رفتار بڑھنے سے زیریں علاقوں میں اچانک پانی بہت بڑھ جاتا ہے، دریاؤں میں غیر متوقع طور پر بہت زیادہ پانی آ جانے سے سیلابی کیفیت رونما ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں بعض علاقے تیزی سے زیرِ آب آ جاتے ہیں، یوں ان علاقوں میں کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور زمین تا دیر ناقابلِ کاشت رہتی ہے، برف کا تیز رفتار پگھلاؤ دنیا بھر میں پینے کے صاف پانی کے مسئلے کی سنگینی بڑھا رہا ہے، پاکستان جیسے ممالک میں

یہ سب کچھ اور بھی خطرناک ہے کیونکہ دریاؤں میں اچانک آجانے والے پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت برائے نام ہے، منگلا اور تربیلا ڈیم کے بھر جانے کے بعد دریائے سندھ اور اس کی شاخوں میں موجود پانی سمندر برد ہوجاتا ہے، پانی کا سمندر میں جانا فطری عمل ہے لیکن اگر یہی پانی پہلے استعمال کرلیا جائے، اِس سے مستفید ہوا جائے تو ایسا کرنے میں کیا ہرج ہے؟ اس حوالے سے سوچنے والے بھی انگلیوں پر گِنے جاسکتے ہیں۔

بہت سے علاقوں سے قدرتی وسائل اس قدر نکالے جاچکے ہیں کہ وہاں خلا پیدا ہوچکا ہے، زمین سے تیل نکالنے کا سلسلہ سوسال سے بھی زیادہ مدت سے جاری ہے، خام تیل کی مصنوعات کے استعمال سے دنیا بھر میں دھواں پھیلا ہے، یہ تو اس معاملے کا صرف ایک پہلو ہے، زمین میں خلا بھی تو پیدا ہوا ہے، کیا یہ تبدیلی گل نہیں کھلائے گی؟ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی علاقے سے اربوں بیرل تیل نکالا جائے اور وہاں اندر ہی اندر اِتنا خلا پیدا ہو کہ اس کی بھرپائی کیلئے ٹیکٹونک پلیٹیں اِدھر کی اُدھر ہوجائیں، قدرت نے بہت کچھ طے کر رکھا ہے مگر ہم قدرت کے معاملات میں مداخلت کرتے رہیں تو سب کچھ اچھا کہاں رہ پائے گا؟ ماہرین نے اس حوالے سے بھی بہت کچھ سوچا ہوگا مگر شاید اس خوف سے نہیں بتارہے کہ لوگوں کے دل مزید دہل جائیں گے، انسان نے کم و بیش تین ہزار سال کے سفرِ ترقی کے دوران جو کچھ بھی ممکن بنایا تھا وہ اپنی بہترین شکل میں تقریباً ایک صدی کے دوران سامنے آیا ہے، ہزاروں سال کی محنت کے نتیجے میں جو کچھ ایجاد اور دریافت ہوا ہے اس نے محض ایک صدی کی مدت میں لاتعداد خرابیاں پیدا کرکے دنیا کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے، ماحول میں رونما ہونے والے عدم توازن کے نتیجے میں کہیں موسم انتہائی گرم ہوچلا ہے اور کہیں انتہائی سرد، برفباری بھی زیادہ ہورہی ہے اور بارش بھی اور پھر شدید گرمی پڑنے سے وہ برف بھی پگھل رہی ہے جو صدیوں سے نہ پگھلی تھی، ماہرین کہتے ہیں کہ قطبین کی برف بھی تیزی سے پگھل رہی ہے اور مختلف زیریں ممالک کے پہاڑوں پر اور گلیشیرز میں جمی ہوئی برف بھی، پاکستان میں کم و بیش سات ہزار گلیشیر ہیں اور اب ان میں برف کی وہ تہیں بھی پگھل رہی ہیں جو صدیوں محفوظ رہی تھیں، یہی حال انٹارکٹیکا کا بھی ہے، وہاں بھی برف تیزی سے پگھل کر معاملات کو خراب کرتی جارہی ہے، یہ سب کچھ خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں، انسان کو سوچنا ہوگا کہ قدرت کے نظام سے کھلواڑ اچھی بات نہیں، یہ سلسلہ رُکنا چاہیے تاکہ دنیا کو بہتر بنانے کے حوالے سے کچھ سوچا جائے، کیا جائے، اس معاملے میں انفرادی مساعی کی کچھ خاص بساط نہیں، حکومتوں کو مل کر سوچنا ہوگا کہ دنیا کو مکمل خرابی سے کیونکر محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی *

سائنسی تحقیق، عصری علوم اور دینی مدارس

Scientific Research, Modern Education, and Madaris

گزشتہ دو صدیوں سے سائنسی ایجادات نے جتنی ترقی کی ہے وہ ہم سب کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور یہ سائنسی ایجادات ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتیں ہیں۔ سیٹلائٹ کی مدد سے زمین پر اناج کی پیداوار کی تخمینہ لگانا ہو یا زمین کے اندر چھپے معدنی خزانوں (پیٹرول، گیس، لوہا، سونا، چاندی) کی نشاندہی ہو، آج یہ سب کچھ ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ سائنس افسانوں سے نکل کر ہماری حقیقی زندگی کے اندر اتنی شامل ہوگئی ہے کہ ہم اگر سفر میں کوئی راستہ تلاش کرنا چاہیں یا کسی نزدیکی بستی کے اندر کسی دکان کی معلومات نکالنا ہوں، یہ سب ہم چند سیکنڈوں کے اندر کر گزرتے ہیں۔ مائیکرو پروسیسر اور کمپیوٹر کے میدان میں سائنسی ایجادات نے ہماری معلومات تک رسائی کو ممکن بنا دیا ہے۔ گھر بیٹھے ایک شخص سیکنڈوں کے اندر آکسفورڈ یونیورسٹی میں رکھے صدیوں پرانے مسوادات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بات صرف یہاں پر ہی ختم نہیں ہوگئی بلکہ اب ٹیکٹائل انٹرنیٹ (Tactile Internet) کی مدد سے محسوسات کو منتقل کرتے ہوئے ریموٹ سرجریز و آپریشن پایہ تکمیل تک پہنچائے جارہے ہیں۔ ان سب سائنسی ایجادات اور ترقی کے پیچھے جو چیز کارفرما ہے وہ تحقیق (ریسرچ) ہے۔ یہ تحقیق (ریسیرچ) ہی ہے جس کی وجہ سے یہ سائنسی ایجادات اپنے آئیڈیاز سے لے کر کام کرنے کی شکل تک ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔

معیاری سائنسی تحقیق

سائنسی تحقیق (ریسیرچ) اگر معیاری ہو تو جو تحقیقی مقالات (Research Articles) اور حقِ سند ایجاد (Patents) وجود میں آتے ہیں وہ بھی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں اور اس سے سائنسی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اس سے جو آخری پروڈکٹ یعنی ٹیکنالوجی (Technology) انسانوں کے سامنے آتی ہے

---

* لیکچرر منسٹر ٹیکنالوجی یونیورسٹی آف آئرلینڈ

وہ بھی معیاری قسم کی ہوتی ہے اور اگر یہ سائنسی تحقیق معیاری نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ اس سے قیمتی وسائل ضائع ہوتے ہیں بلکہ انسانیت کو بھی ایسی سائنسی تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ غرض سائنسی تحقیق کا معیاری ہونا بہت ضروری ہے۔ پچھلی صدی کے اندر سائنس اور سائنسی تحقیق کے اندر بہت زیادہ ترقی ہونے کی وجہ سے سائنسی تحقیق کے معیار کو جانچنے نے بھی باقاعدہ ایک سائنسی شعبے اور فن کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ سائنسی شعبہ یا فن ببلیومیٹرکس (Bibliometrics) کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں اس بات کا طریقہ متعین کیا جاتا ہے کہ ایک سائنسی تحقیق کو ہم کیسے جانچیں گے اور کس سائنسدان کی تحقیق کا کیا معیار ہے۔ ببلیومیٹرکس (Bibliometrics) کا شعبہ اصل میں لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس (Library and Information Science) کی شاخ کے اندر آتا ہے اور اس کا بنیادی مقصد سائنسی تحقیق اور سائنسدانوں کی ریسرچ کے معیار کو جانچنا ہے۔ اسی طرح سے سائنسی معیار کو جانچنے اور اس کو آگے ترقی دینے اور بڑھانے کیلئے باقاعدہ یونیورسٹیوں کے ڈیپارٹمنٹ وجود میں آچکے ہیں جو کہ اس موضوع پر تحقیق بھی کروا رہے ہیں اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی تفویض کر رہے ہیں۔ نیز ان سائنسی تحقیقات کے معیار کو پرکھنے کیلئے اور سائنسی تحقیق کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے ریگولیٹری ادارے بھی معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔ اسی طرح سے عالمی سطح کی معیاری تحقیق کرنے پر ایوارڈز بھی دیئے جاتے ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں: نوبل پرائز (Nobel Prize)، ٹیورنگ ایوارڈ (Turing Award)، فیلو آف رائل سوسائٹی (Fellow of the Royal Society)، آئی ای ای ای کی فیلوشپ (Fellow IEEE)، اے سی ایم کی فیلوشپ (Fellow ACM)، (Highly Cited Researcher) وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف ایوارڈز ہیں جو کہ مختلف سائنسی شعبوں کے اندر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا حال

اب اگر ہم سائنسی تحقیق، ایجادات اور ایوارڈز کی بات کریں تو عمومی طور پر اسلامی ممالک کے اندر سائنسی تحقیق کا معیار اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔ بالخصوص اگر ہم اپنے پیارے ملک پاکستان کی بات کریں تو سائنسی دنیا کے اندر پاکستان عمومی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں ہونے والی تحقیق سے بہت پیچھے ہے۔ یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہم شواہد کی بنیاد پر آپ کے سامنے یہ حقائق رکھ رہے ہیں۔ پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کی زبوں حالی کی بنیادی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ہمیں کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر ہم سائنسی شماریاتی اداروں کی رپورٹ پڑھ لیں تو یہ بات ہم پر عیاں ہو جائے گی کہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا کیا حال ہے۔ سائنسی

شماریاتی اداروں یعنی جامعات کی عالمی رینکنگ کرنے والے اداروں (ملٹی رینک، ٹائمز ہائیر ایجوکیشن ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ، قیو ایس ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ، اور شینگھائی رینکنگ) کی جانب سے جو ڈیٹا فراہم کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی پانچ سو بہترین جامعات کے اندر محض پاکستان کی کچھ ہی جامعات اپنا نام بنا پائیں ہیں۔

جامعات کی عالمی رینکنگ کے ادارے بہت سارے عوامل کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس جامعہ کا کون سا عالمی درجہ ہوگا، ان عوامل کے اندر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جامعات کے اندر تحقیق کس معیار کی ہورہی ہے؟ ان کے اندر تدریس کا کیا معیار ہے؟ ان جامعات کے انڈسٹری کے ساتھ کتنا اشتراک ہے اور انڈسٹری کی جانب سے ان جامعات کو کتنی فنڈنگ دی جارہی ہے؟ نیز ان جامعات کے اندر کتنے نوبل انعام یافتہ سائنسدان اور محققین ہیں اور کتنے ہائلی سائٹڈ ریسچرز (یعنی دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان) (Highly Cited Researcher) ہیں؟ اس کے علاوہ ان جامعات کے کتنے فارغ التحصیل طلباء کو نوبل انعام ملا ہے؟ مزید براں یہ کے ان جامعات کے اندر ہونے والی تحقیق سے انسانیت کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ اس کے علاوہ اسٹوڈنٹ فیکلٹی (طلباء اساتذہ) تناسب کیا ہے؟ دوسرے ممالک کے کتنے طلباء ان جامعات کے اندر تعلیم حاصل کرر ہے ہیں؟

ذیل میں ہم نے دو جامعات کی عالمی رینکنگ کے اداروں کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے جس کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جامعات کی عالمی درجہ بندی ایک سائنسی طریقے سے ہوتی ہے جس کے اندر مختلف عوامل کو وزن دیا جاتا ہے تاکہ جامعات کے معیار کو جانچا جاسکے۔

ٹائمز ہائیر ایجوکیشن ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ جامعات کی عالمی رینکنگ کیلئے مختلف عوامل کو وزن (سو فیصد میں سے) اس طرح دیتی ہے (۱) ایجوکیشن کوالٹی۔ نوبل انعام یافتہ طلباء، دس فیصد، (۲) تدریسی عملہ جن کو نوبل انعام ملا ہو، بیس فیصد (۳) ہائلی سائٹڈ ریسچرز، بیس فیصد، (۴) نیچر اور سائنس میں تحقیقی مقالاجات، بیس فیصد (۵) تحقیقی مقالاجات جو کہ ایس سی آئی ای انڈیکس ہوں، بیس فیصد اور (۶) فی کس تعلیمی کارکردگی، دس فیصد۔

شنگھائی رینکنگ جامعات کی عالمی رینکنگ کیلئے مختلف عوامل کو وزن (سو فیصد میں سے) اس طرح دیتی ہے۔ (۱) انڈسٹری سے آمدن۔ ڈھائی فیصد، (۲) طلباء اور اساتذہ میں عالمگریت۔ پانچ فیصد، (۳) تدریس (پی ایچ ڈی، طلباء کی تعداد وغیرہ) تیس فیصد (۴) تحقیق (تحقیقی مقالاجات، تحقیق سے آمدن وغیرہ) تیس فیصد اور (۵) تحقیق کا اثر یعنی Citations، بتیس اشاریہ پانچ فیصد۔

اگر ہم پاکستان کی جامعات اور یہاں پر ہونے والی سائنسی تحقیق کے معیار و کارکردگی کو جانچنا چاہتے ہیں تو ہمیں بین الاقوامی تسلیم شدہ پیائش (performance metrics) کے اصولوں کو مدِ نظر رکھنا ہوگا اور ایسے معیارات (standards) کو اختیار کرنا ہوگا جن کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جائے نیز یہ معیارات ایسے ہوں جن کی پیائش بھی ممکن ہو۔ مثلاً اگر ہمیں اس بات کا معیار جانچنا ہے جامعات اور انڈسٹری میں کتنا تعاون ہو رہا ہے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ انڈسٹری جامعات کو کتنا معاشی تعاون کر رہی ہیں اور اس سلسلے میں کتنی فنڈنگ کا اجراء کر چکی ہیں۔ اس کیلئے جو عالمی سطح پر پیانہ متعین کیا گیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ فی کس سائنسدان اپنی جامعہ میں انڈسٹری سے کتنی فنڈنگ لا رہا ہے تا کہ تحقیق و تدریس کو فروغ دیا جاسکے۔ اسی طریقے سے ہم نے دیکھا کہ عالمی سطح پر جو جامعات کی عالمی رینکنگ کی جاتی ہے اور ان کا معیار اور کارکردگی جانچی جاتی ہے اس کے اندر مختلف کارکردگی کی پیائشی طریقوں کو تسلم کیا جاتا ہے جن کو ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ اب ہم ان عالمی معیارات کو سامنے رکھ کر بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ عالمی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان کے اندر ہونے والی تحقیق کا کیا معیار ہے، نیز سائنسی تحقیق کے اندر ان کی کارکردگی کیا ہے۔

نوبل پرائز، دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان اور پاکستان کا اس میدان میں موازنہ

اب ہم دو مختلف عالمی تسلیم شدہ پیانوں یعنی نوبل پرائز Nobel Prize اور ہائلی سائٹڈ ریسچرز Highly Cited Researcher یعنی ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' کی مدد سے پاکستان کی جامعات کی کارکردگی اور ان میں ہونے والی تحقیق کے معیار کی پیائش کرتے ہیں۔ نوبل پرائز مختلف شعبہ جات مثلاً طبیعات، کیمیا، طب، لٹریچر، امن، اکنومکس وغیرہ میں دیا جاتا ہے چونکہ ہم سائنس کی بات کر رہے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سائنس کے شعبہ جات کے اندر پاکستان کی جامعات میں کام کرنے والے کتنے سائنسدانوں کو نوبل پرائز دیئے گئے ہیں اور پاکستان کی کارکردگی اس ضمن میں کیا ہے؟ کیا پاکستان کی جامعات، قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک کوئی ایسی تحقیق کرسکیں جس کی بنیاد پر ان جامعات میں کام کرنے والے سائنسدانوں اور پروفیسرز حضرات کو عالمی سطح پر مانا گیا ہو اور ان کو سائنس کے شعبہ جات کے اندر پاکستان کے اندر تحقیق کی بنیاد پر نوبل پرائز کے انعام سے نوازا گیا ہے؟ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۲۰۲۰ تک مجموعی طور پر ۶۰۳ نوبل پرائز ۹۶۲ شخصیات کو دیا جاچکا ہے جن میں طبیعات (Physics) میں ۱۱۴، کیمیا (Chemistry) میں ۱۱۲، طب (Medicine) میں ۱۱۱ نوبل انعام دیئے جاچکے ہیں اور دنیا کے چار مما لک امریکہ، برطانیہ، جرمنی، اور فرانس، وہ مما لک ہیں جن کے سائنسدانوں کے پاس سب سے زیادہ نوبل پرائز

ہیں۔اس سارے موازنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم نوبل پرائز کے معیار پر کتنے پیچھے ہیں۔

دوسرا پیمانہ یعنی ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' (Highly Cited Researcher) کے تناظر میں پاکستان کی جامعات اوران کے اندر ہونے والی تحقیق کی صورتِ حال بھی کچھ حوصلہ افزاءنہیں۔ صرف طبیعات (Physics) کے شعبہ کے اندر کُل ۱۷۹ سائنسدانوں میں پورے پاکستان کا ایک بھی سائنسدان ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' (Highly Cited Researcher) کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔اس کے بالمقابل اگر ہم امریکہ، چین، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر مما لک کی بات کریں تو وہاں پر مختلف سائنسی شعبہ جات کے اندر ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدانوں'' کی بھرمار ہے مثلاً امریکہ میں دو ہزار چھ سو پچاس، چین میں سات سو ستر، برطانیہ میں پانچ سو چودہ، اور جرمنی میں تین سو پینتالیس ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' موجود ہیں۔اگر ہم جامعات کے حساب سے بات کریں تو اکیلے ہارورڈ یونیورسٹی Harvard University کے اندر ایک سو اٹھاسی، اسٹینفورڈ یونیورسٹی Stanford University کے اندر ایک سو چھ، آکسفورڈ یونیورسٹی University of Oxford کے اندر باون اور کیمبرج یونیورسٹی University of Cambridge کے اندر چھیالیس ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' مختلف سائنسی شعبہ جات کے اندر موجود ہیں۔اس کے علاوہ اگر دیگر ایوارڈز دیکھے جائیں تو پاکستان کے پاس نہ ہی کوئی آئی ای ای ای فیلو Fellow IEEE ہے اور نہ ہی اے سی ایم فیلو Fellow ACM ہے۔

آبادی کے تناسب سے پاکستان کی سائنسی دنیا میں کارکردگی

آبادی کے تناسب سے دیکھا جائے تو سائنسی دنیا کے اندر ہماری کارکردگی قابلِ ستائش نہیں ہے اور یہی حال کچھ ہماری جامعات کے اندر ہونے والی سائنسی تحقیق کا بھی ہے۔اگر ہم پاکستان سے کئی گنا چھوٹے ملک آئرلینڈ کا جائزہ لیں تو آئرلینڈ کی کُل آبادی پاکستان کے شہر کراچی سے بھی کم ہے مگر اس کے برعکس اس کے پاس کئی نوبل پرائز ونر ہیں، اور ۳۳ ''دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدان'' کا ٹائٹل ملنے والے سائنس دان بھی موجود ہیں۔ جامعات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو آئرلینڈ کے پاس بیس کے قریب جامعات ہیں مگر ان میں تحقیق کا معیار اتنی اعلیٰ قسم کا ہے کہ وہ دنیا کے دوسو بہترین جامعات کے اندر اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی تناظر میں اگر میں پاکستان کی جامعات کی تعداد دیکھیں تو پاکستان میں ۲۲۹ پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر جامعات موجود ہیں (ایچ ای سی کی ویب سائٹ کے مطابق: جولائی ۲۰۲۱) نیز اگر ہم ان جامعات کے اندر اساتذہ کی تعداد دیکھیں تو وہ کُل ۴۷۳۹۳ ہے جس میں سے ۱۴۶۱۴ پی ایچ ڈی حامل اساتذہ ہیں یعنی ۳۵۲۴ خواتین پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے اور ۱۱۰۹۰ مرد پی

ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے۔ اس حوالے سے پاکستان کی جامعات کے اندر تقریباً ۳۰ فیصد اساتذہ پی ایچ ڈی ڈگری کے حامل ہیں نیز پاکستان کی ایک ایسی جامعہ، کامسیٹس یونیورسٹی، بھی ہے جس کے پاس ایک ہزار سے زیادہ پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد ہے چونکہ ابھی ہمارا موضوع پاکستان میں سائنسی تحقیق کے گرتے ہوئے معیار کے سدِ باب پر تجاویز دینا نہیں لہٰذا ہم اس سے احتراز کرتے ہوئے اپنے موضوع پر رہتے ہیں۔ ان سب تفصیلات جاننے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے اندر سائنسی تحقیق کا معیار عالمی سطح کا نہیں ہے نیز پاکستان کی جامعات بھی عالمی سطح پر اپنا لوہا نہیں منوا سکیں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد سے لے کر اب تک ہم اجتماعی سطح پر بہترین سائنسدانوں کی کھیپ تیار نہیں کر سکے۔ ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ انفرادی سائنسدان ابھی بھی پاکستان میں موجود ہیں جو کہ پوری جان لگا رہے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستانی سائنسدان عالمی اداروں میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

دینی مدارس، عصری علوم اور سائنسی تحقیق

اس تمام تناظر کے اندر اگر ہم دینی مدارس کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کچھ دینی مدارس نے عصری علوم کے اندر بھی رسوخ پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس کے قائدین اور اکابر علمائے کرام کی کوششوں سے حکومتِ پاکستان (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کی جانب سے درسِ نظامی مکمل کرنے والے علماء کی تعلیمی اسناد کو ماسٹرز کے مقابل سمجھا جانے لگا ہے۔ نیز کچھ مدارس خاص طور پر ایسے رجالِ کار تیار کر رہے ہیں جو کہ عصری علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔

علمائے کرام کا عصری علوم بالخصوص سائنسی تحقیق اور پی ایچ ڈی کی طرف راغب ہونا

اس سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ جو علمائے کرام درسِ نظامی اور تخصص سے تکمیل حاصل کر رہے ہیں ان میں سے کچھ حضرات عصری جامعات کا بھی رخ کر رہے ہیں تا کہ وہاں سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر سکیں اور مشاہدے میں یہ بات آ رہی ہے کہ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ بھی ہوتا جا رہا ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے یہ سارے فارغ التحصیل علمائے کرام اور مفتیان کرام جو کہ تحقیق کیلئے جن عصری جامعات کا رخ کر رہے ہیں تا کہ وہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر سکیں وہ ہماری پاکستان کی ہی جامعات ہیں اور جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا کہ عالمی سطح پر پاکستان کی جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کا معیار وہ نہیں ہے جو کہ ترقی یافتہ مما لک کا ہے لہٰذا سب سے

بڑا مسئلہ یہ پیش آئے گا کہ کس طریقے سے وہ سائنسی استعداد اور قابلیت بنائی جائے جو کہ عالمی سطح پر معیاری سائنسی تحقیق کیلئے درکار ہے نیز یہ مسئلہ صرف علمائے کرام یا مفتیان کرام تک ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ جو بھی طالبعلم ان پاکستانی عصری جامعات سے پی ایچ ڈی ڈگری کا حصول کرے گا اُس کو یہ مسئلہ درپیش آئے گا لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ محض ڈاکٹر کا ٹائٹل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حصول مقصود نہ ہو بلکہ سائنسی استعداد اور قابلیت بڑھانے پر توجہ دی جائے تاکہ عالمی معیار کی تحقیق کی جاسکے اور سائنسی میدان میں ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ کیا جاسکے۔

کیا دینی مدارس کا مقصد سائنسی تحقیق کروانا ہے؟

جس طرح میڈیکل کالج کا مقصد طب کی تعلیم دینا ہے، انجینئرنگ یونیورسٹی کا مقصد انجینئرنگ کی تعلیم دینا ہے، لاء کالج کا مقصد قانون کی تعلیم دینا ہے بعینہ اسی طرح دینی مدارس کا مقصد دینی علوم کی تعلیم دینا ہے تاکہ علماء کی ایک معتد بہ تعداد معاشرے کی ضرورت کیلئے تیار ہوسکے اور جو اپنا تن من دھن لگا کر دین کی خدمت کرسکیں پھر دینی علوم کے اندر شعبہ جات اتنے سارے ہیں کہ اس چھوٹی سی زندگی کے اندر تمام شعبہ جات کے اندر مہارت حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے، اسی واسطے دینی مدارس کے اندر مختلف تخصصات موجود ہیں پھر ان تخصصات کے بعد بھی علم میں رسوخ حاصل کرنے کیلئے ایک لمبی عمر درکار ہے اور بات صرف دینی علوم تک محدود ہوتی تو ٹھیک مگر دینی علوم اور مدارس کے اندر تقویٰ اور للّٰہیت کی لائن سے بھی بہت سارے میدان ہیں جن کو طلباء نے سر کرنا ہوتا ہے اور پھر کہیں جا کر ایک راسخ العقیدہ عالم اور مفتی تیار ہوتا ہے۔

اگر ہم مروجہ درسِ نظامی کے نصاب کو دیکھیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ پوری تندہی، خلوص اور لگن کے ساتھ ۸ سے ۱۰ سال لگانے کے بعد دینی علوم کے اندر استعداد پیدا ہوتی ہے۔ بعینہ یہی صورتِ حال عصری علوم اور تحقیق کرنے والوں کو بھی پیش آتی ہے۔ اب چونکہ دینی مدارس کا مقصد دینی علوم کی استعداد پیدا کرنا ہوتا ہے تو طالبعلم طب، کیمیا، قانون، ریاضی، اور دیگر سائنسی علوم میں مہارت حاصل نہیں کرسکتا۔ ہاں! البتہ بنیادی معلومات جو کہ عصری علوم کے طلباء کو بھی دی جاتی ہے ان علماء حضرات کو بھی ملتی ہے مگر یہ اتنی ہی واقفیت ہوتی ہے جتنی کہ ایک ڈاکٹر کو انجینئرنگ کے شعبے سے ہوتی ہے، یا ایک وکیل کو ریاضی سے ہوتی ہے یا ایک کیمیا دان کو کمپیوٹر سائنس کے شعبے سے ہوتی ہے۔ اب جس طریقے سے کسی وکیل سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ کوئی ویکسین ایجاد کرے گا، یا کسی کیمیا دان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کمپیوٹر سائنس کے مشکل الگورتھمز Algorithms

ایجاد کرے گا بالکل اسی طریقے سے ایک عالمِ دین سے بھی یہ توقع نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرے گا اور کوئی سائنسی تحقیق کرے گا۔ خلاصہ کلام اس ساری بات کا یہ ہے کہ دینی مدارس کا کام سائنسی تحقیق کروانا نہیں ہے۔

دینی علوم کے اندر علمائے کرام کا تحقیق اور پی ایچ ڈی کرنا

الحمدللہ وفاق المدارس اور اکابر کی کوششوں کی وجہ سے درسِ نظامی کے فاضل کو ماسٹرز کے مساوی ڈگری دی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ ماسٹرز کی ڈگری، ماسٹرز ان آرٹس Masters in Arts(M.A) کی ڈگری ہوتی ہے جو کہ اپنے اندر چند اسلامی علوم کے تخصصات رکھتی ہے، مثلاً اسلامی تاریخ، فقہ، حدیث، تفسیر، علوم القرآن، عربی علوم، مختلف ادعیان کا تقابلی جائزہ، دعوۃ، سیرۃ، تصوف، فلسفہ وعلم العقائد وغیرہ۔ پھر انہی مضامین اور تخصصات کی بنیاد پر یہ علمائے کرام انہی علوم کے اندر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا حصول کرتے ہیں اور اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہیں مگر یہ تحقیق آرٹس کے مضامین سے متعلق ہیں نا کہ سائنس سے متعلق، اسی طریقے سے بہت سے علمائے کرام معاشیات اور مینجمنٹ سائنس کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے ان علوم کے اندر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور کچھ علمائے کرام نے صحافت اور ماس کمیونیکیشن یعنی ابلاغِ عامہ کو اپنا مطمح نظر بنایا اور ان مضامین میں پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا حصول کیا نیز کچھ علمائے کرام قانون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کرتے ہیں لہٰذا اس سے ہم یہ نتیجہ نہیں اخذ کرسکتے کہ یہ علمائے کرام سائنس کے علوم کے اندر تحقیق کررہے ہیں۔

علمائے کرام کا کوئی مسئلہ بتانے کیلئے سائنسدان بننا ضروری نہیں

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی ایک شعبے کے ماہر کو کسی دوسرے شعبے کے ماہر کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اس سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً جب کسی مقدمے کے اندر جج اور وکیل حضرات کو سائبر سکیورٹی سے متعلق چیزوں کو سمجھنا ہوتا ہے تو وہ کمپیوٹر کے ماہر سے اپنی مطلوبہ معلومات لینے کے بعد فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طریقے سے جب کسی حکومتی وزیر کو کوئی پالیسی مرتب کرنی ہوتی ہے تو وہ متعلقہ شعبہ جات کے ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد اپنی پالیسی مرتب کرتے ہیں۔ کہیں بھی یہ سوال نہیں ہوتا کہ وہ جج، وکیل یا حکومتی وزیر سب کچھ چھوڑ کر اس متعلقہ علم کو حاصل کرنے لگ جائے۔ بعینہ اسی طریقے سے دینی علوم کے ماہر حضرات یعنی مفتیان کرام جب کسی مسئلے سے متعلق کوئی معلومات لینا چاہتے ہیں تو مختلف شعبوں کے ماہرین سے معلومات لے کر شریعت کے احکامات بتا

دیتے ہیں۔ جیسے اگر کسی چیز کی حلت وحرمت پر بات کرنی ہے تو پہلے مفتیان کرام متعلقہ فوڈ سائنس کے ماہرین اور کیمیکل انڈسٹری کے ماہرین سے معلومات لے کر اسلامی حکم بتا دیتے ہیں۔ اسی طریقے سے اگر کسی سائل کو کوئی مشکل معاشی مسئلہ پیش آتا ہے تو مفتیانِ کرام متعلقہ ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد متعلقہ مسئلے کا حکم تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیتے ہیں۔تو حاصل اس ساری بات کا یہ ہے کہ علمائے کرام کا کسی مسئلے کو بتانے کیلئے ان علوم کا ماہر یعنی سائنس دان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔

سائنسی تحقیق کے پیچھے مادیت جبکہ دینی تحقیق کے پیچھے دین کی خدمت کا جذبہ

مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ سائنسی تحقیق اور عصری علوم کی جامعات کے اندر اور بالخصوص پاکستان کی جامعات کے اندر طلباء کا ذہن اس طریقے سے بنایا جاتا ہے کہ اگر میڈیکل ڈاکٹر بنو گے، انجینئر بنو گے تو اچھی نوکری ملے گی، اور جب اچھی نوکری ملے گی تو تنخواہ اچھی ہوگی اور پھر سارے مسائل کا حل نکل آئے گا۔یعنی اساتذہ کرام سے لے کر طلباء تک، پورے نظام میں مادیت کی سوچ کارفرما ہے، الا ماشاء اللہ۔ہونا تو یہ چاہیے کہ سائنسی تحقیق کے پیچھے نیت انسانیت کی خدمت ہو اور سائنسی تحقیق کی ترویج و اشاعت ہو اور اگر ہم دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں اور تحقیق کرنے والوں کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ تحقیق کرتے ہیں تاکہ اپنے سائنسی شعبے اور انسانیت کی خدمت کرسکیں مگر اس کے باوجود بھی، بنیادی طور پر مادیت ہی ان کی ساری جدوجہد کا مرکز ہوتا ہے۔اس کے برعکس، دینی مدارس اور علمائے کرام کا مقصد خالص دین کی خدمت ہوتا ہے اور ان میں دین کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے اور اسی خلوص کی برکت سے یہ چٹائیوں پر بیٹھنے والے علمائے کرام بلا کسی معاوضہ کے اپنی پوری پوری زندگیاں دین اور دینی علوم کی خدمت میں وقف کردیتے ہیں۔اب جبکہ ہم دینی مدارس کے علمائے کرام عصری جامعات کی طرف راغب ہوں گے تو لامحالہ ان کے اندر بھی دنیا حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوگی اور اگر وہ دنیاوی لوگوں کی طرح مسابقت نہیں کریں گے تو پھر وہ ان عصری علوم میں پیچھے رہ جائیں گے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی علوم کی خدمت کے اندر اخلاص اور للّٰہیت جیسے عناصر کو عنقا ہونے سے بچایا جائے اور اس کیلئے اکابر کی ترتیب پر عمل کرتے ہوئے دینی مدارس صرف دینی علوم پر توجہ دیں۔

دینی مدارس کے اندر جدید فقہی مقالات کی تدوین واشاعت اور ان کا معیار

الحمدللہ یہ بات لکھتے ہوئے بہت مسرت ہوتی ہے کہ دینی مدارس اپنے کام کے اندر نہ صرف ماہر ہیں بلکہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنا لوہا پوری دنیا کے اندر منوایا ہے۔ مجھے

عصری علوم کے طالبعلم کی حیثیت سے جب دینی مدارس سے نکلنے والے جدید فقہی مقالات، مضامین و تحقیقات دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے نیز جب ہم تخصص کے شعبہ جات سے فارغ التحصیل مفتیان کرام کا تحقیقی کام دیکھتے ہیں تو وہ بھی بہت اعلیٰ اور معیاری قسم کا ہوتا ہے۔ تحریر کے اسلوب سے لے کر تحقیقی مواد تک اور پھر مضمون کے ڈھانچے سے لے کر مصادر تک، تمام ہی کام انتہائی اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔ ان دینی مدارس کے نظم کے تحت جو با قائدہ مجموعہ فتویٰ جات شائع ہوتے ہیں وہ اپنے اندر انتہائی اعلیٰ درجے کا تحقیقی مواد رکھتے ہیں اور ان کے اندر علوم کا ایک خزانہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو رسائل و جرائد مختلف دینی مدارس شائع کرتے ہیں وہ بھی نہایت اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کے اندر جو تحقیق ہو رہی ہے اس کو ہم اس طرح سے بیان کر سکتے ہیں: (۱) تحقیق و فقہی مقالات جو سائنسی شعبوں سے متعلق ہے، جن میں بنیادی سائنس کے شعبے اور سوشل سائنس کے شعبے شامل ہیں (۲) تحقیق و فقہی مقالات جو غیر سائنسی شعبوں سے متعلق ہے جن میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات شامل ہیں۔ یہ بات ہمیں ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو تحقیق دینی مدارس کے اندر سائنسی شعبوں سے متعلق ہو رہی ہے، وہ بنیادی سائنسی تحقیق نہیں ہے بلکہ وہ سائنسی شعبوں سے متعلق جو فقہی احکامات ہیں اس سے متعلق تحقیق ہے، مثلاً کمپیوٹر سائنس سے متعلق تحقیقی مضمون بلاک چین (کرپٹوکرنسی، بٹ کوائن) سے متعلق یہ دینی مدارس تحقیق نہیں کر رہے بلکہ کمپیوٹر کے ماہرین اور سائنسدانوں سے بلاک چین (کرپٹوکرنسی) کے کام کرنے کے انداز کو سمجھ کر اس کے دینی احکامات بتا رہے ہوتے ہیں۔

مروجہ سائنسی تحقیق کا ماڈل اور اس کا اطلاق دینی تحقیق و فقہی مقالات پر

آجکل کی دنیا میں جو مروجہ سائنسی ماڈل تحقیق کے حوالے سے موجود ہے اس میں جامعات کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ پھر ان جامعات کا حکومتی اداروں، پالیسی ساز اداروں، اور انڈسٹری کے ساتھ تعامل بھی ہونا چاہیے اور ان جامعات کی فنڈنگ کا نظام ایک مربوط طریقے سے چل رہا ہے۔ انہی جامعات سے پھر سائنسدان تیار ہوتے ہیں جو کہ اپنے اپنے سائنسی شعبہ جات کے اندر مختلف مضامین پر تحقیقی کام کرتے ہیں۔ ایک سائنسدان اور پروفیسر کو جو وسائل میسر آتے ہیں اس کی بنیاد پر وہ پورا اپنا ریسرچ سینٹر بناتا ہے اور اپنے جیسے دیگر سائنسدانوں کے گروپ کو ملا کر سائنسی تحقیق کو آگے لے جانے کی سعی کرتا ہے۔ اس کیلئے اس کو فنڈنگ بھی چاہیے ہوتی ہے جو کہ اس کو مختلف ذرائع سے آسانی کے ساتھ میسر آجاتی ہے اور اس کی بنیاد پر وہ دیگر طلباء کو پی ایچ ڈی کی

ڈگریاں بھی تفویض کرتا ہے، نیز اپنے سائنسی تحقیقی کام کو بھی آگے بڑھاتا ہے جو بھی یہ سائنسدان تحقیق کرتا ہے اس تحقیق کو سائنسی مضامین اور مقالات کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے اور پھر انہی مقالات کی بنیاد پر اس سائنسدان کا اگلے گریڈ پر ترقی اور دیگر ذرائع آمدن کے مواقع میسر آتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مروجہ سائنسی تحقیق ماڈل کے اندر تحقیقی مقالات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، سائنسی مقالاجات لکھنے کی بہت اہمیت ہے مثلاً پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کیلئے، پروفیسر کے عہدے تک پہنچنے کے لئے، فنڈنگ حاصل کرنے کے لئے، کوئی نئی چیز ایجاد کرتے وقت، تحقیق کرنے کے لئے، سائنسی تحقیق کو عام کرنے کے لئے، ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے طلباء کی سپرویژن کرنے کے لئے اور سائنسی دنیا میں اپنا لوہا منوانے کے لئے۔

اس کے بالمقابل اگر ہم دینی مدارس کی بات کریں اور تخصص کی بات کریں تو وہاں کا تحقیق کا ماڈل مروجہ سائنسی ماڈل سے مختلف ہے، مثلاً دینی مدارس کے اندر جو تخصص کے مقالہ جات لکھے جاتے ہیں، ان کے اندر Peer Review Process یعنی تحقیقی مقالاجات کو پرکھنے کا معیار کا طریقہ مروجہ سائنسی طریقے کے مطابق نہیں ہوتا نیز ان فقہی مقالاجات کی عالمی سطح پر کوئی اشاعت نہیں ہوتی اور خاصی پذیرائی بھی نہیں ملتی۔ ہاں! البتہ بعض مرتبہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک تخصص کا طالبعلم اپنے فقہی مقالہ کو عالمی سائنسی تحقیقی جریدے میں اشاعت کیلئے بھیجتا ہے مگر اس کیلئے اس فقہی مقالے کو اس جریدے کے اصول وضوابط کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے اور یہ کافی محنت طلب کام ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی دینی مدرسے کا فقہی رسالہ مثلاً ''الحق''، ''بینات'' یا ''البلاغ'' عالمی سطح پر سائنسدانوں کے یہاں تسلیم ہوجائے؟ اس کا جواب نفی میں ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو سائنسی جرائد ہوتے ہیں ان کو اپنے آپ کے رجسٹرڈ اور انڈیکس کروانا پڑتا ہے سائنسی ریگولیٹری باڈیز کے پاس اور ان کے کچھ بیس سے اوپر اصول ہیں جن کی بنیاد پر وہ ان جرائد کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان اصولوں پر کاربند ہونے سے دینی جرائد کی خودمختاری پر اثر پڑے گا اس واسطے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ یہ دینی جرائد سائنسی دنیا میں تسلیم کئے جاسکیں پھر یہاں پر یہ سوال بھی بجا ہے کہ دینی مدارس کو ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ علمائے کرام کا مقصد ڈگریوں کا حصول نہیں، نیز پیسوں اور اعلیٰ عہدوں کا حصول بھی ان کا مقصد نہیں تو پھر وہ یہ راستہ اختیار ہی کیوں کریں۔

وفاق المدارس کے نظم کے تحت فقہی مقالات کی تدوین واشاعت اور انکے جانچنے کا ملکی نظم

الحمدللہ وفاق المدارس کے نظم کے تحت مدارس کی نمائندہ جماعت کا ماہنامہ شمارہ وفاق سے

متعلق خبروں کو چھاپتا رہتا ہے اور اس کے اندر مختلف تحقیقی مقالہ جات بھی چھپتے رہتے ہیں۔ ایک ترتیب یہ بھی شروع کی جاسکتی ہے کہ وفاق المدارس ایک بین الاقوامی تحقیقی جریدے کا اجراء کرے اوراس کے اندر ایک ایڈیٹوریل بورڈ (Editorial Board) تشکیل دیا جائے جس کے اندر ایڈیٹر ان چیف اور ایڈیٹرز ہوں اور یہ تمام حضرات پورے پاکستان کے نامور علمائے کرام ہوں اور اپنے اپنے دینی شعبہ جاتے کے اندر مہارت رکھتے ہوں اور پھر پورے پاکستان کے تمام مدارس کے تخصص کے طلباء تحقیق مقالاجات اس جریدے کے اندر چھاپنے کیلئے بھیجیں پھر ان فقہی مقالاجات کی مروجہ سائنسی طریقے کے مطابق جانچ پڑتال کی جائے اورصرف انہی فقہی مقالاجات کواس جریدے کا حصہ بنایا جائے جو کہ متعین کردہ معیار پر پورا اترتا ہو، اس سارے نظم کے تحت پوری پاکستان کے فقہی مقالات کوایک دینی جریدے کی شکل میں شائع ہونے کا باقائدہ موقع مل جائے گا۔

علمائے کرام کی خدمت میں کچھ گزارشات

آخر میں گزارش یہ ہے کہ جو علمائے کرام اور مفتیان کرام پاکستان کی عصری علوم کی جامعات سے پی ایچ ڈی اورتحقیق کررہے ہیں تو ان کوخصوصی طور پرمحتاط ہونے کی ضرورت ہے۔آج کل چونکہ ہمارے ملک پاکستان کی عصری جامعات کے اندر بنیاد چونکہ ڈگری اور پیسے کا حصول ہے اورتحقیق ان کا مقصدنہیں ہے تو لا محالہ یہ چیز ہمارے علمائے کرام کے سامنے بھی پیش آئے گی اور جو علمائے کرام اورمفتیان کرام ان عصری جامعات سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کریں گے ان کے اندر سائنسی استعداد کی کمی ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ سائنس اسی کا نام ہے جو کہ انہوں نے ان عصری جامعات کے اندر سیکھی ہے۔ اب اگر اصولی طور پر دیکھا جائے تو قصور ان عصری جامعات اور سائنسدان حضرات کا ہے جو کہ غیر معیاری تحقیق کروارہے ہیں اور اسی کی بنیاد پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں تفویض کررہے ہیں۔

انتہائی ادب کے درجے کے اندر رہتے ہوئے ہم علمائے کرام کی خدمت میں کچھ گزارشات رکھنا چاہتے ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر ہم نے سائنسی علوم پر کام کرنا ہے تو پھر ان کے اصولوں اور معیارات کے مطابق ہی تحقیق کرنی ہوگی۔ اس میں سب سے بنیادی بات تو سائنسی تعلیم کا حصول ہے اور پھر اس میں رسوخ ہے۔اگر پروفیشنل ڈگریوں کی بات کی جائے تو چاہے آپ حکومتی اسکولوں سے پڑھے ہوں یا کیمبرج نظامِ تعلیم والے اسکولوں سے، آپ پروفیشنل ڈگری کا حصول کریں گے، مثلاً آپ انجینئرنگ کے شعبے میں یو ای ٹی سے انجینئر کی ڈگری حاصل کریں گے اوراگر آپ طب کے شعبے

منسلک ہونا چاہتے ہیں تو کسی میڈیکل یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کریں گے۔ پھر اس کے بعد ان شعبوں میں مہارت حاصل کرتے ہوئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے جیسا کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی ڈگریاں ہیں اور پھر ان کے بعد پوسٹ ڈاکٹریٹ بھی ہو جائے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اس سارے پروسس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک طالبعلم جو کہ اگر بہترین انگریزی اسکولوں سے تعلیم حاصل کرے اور پھر اپنی زندگی کے ۱۶ یا ۱۷ سال کھپانے کے بعد وہ انجینئر یا میڈیکل ڈاکٹر بنتا ہے پھر اگر بہت ہی اعلیٰ نمبروں کے حصول کے بعد وہ ایم ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا حصول کر لے تو پھر کہیں جا کر وہ ایک عام سا محقق اور سائنسدان بنتا ہے جس کو اپنے شعبے کی محض شُد بد ہی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر ہم یہ چاہ رہے ہیں کہ ایک طالبعلم جو کہ درسِ نظامی سے فارغ ہو اور تخصص کرنے کے بعد وہ عصری جامعات سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لے تو یہ ایک مشکل کام ہے۔ سوال یہ ہے کہ میں اس کام کو مشکل کیوں کہہ رہا ہوں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو دینی مدارس سے علمائے اور مفتیانِ کرام درسِ نظامی اور تخصص سے فارغ ہو رہے ہیں وہ انجینئر یا ڈاکٹر نہیں ہوتے ہاں! البتہ چونکہ ایچ ای سی ان کو ماسٹرز کے مساوی ڈگری دے دیتی ہے تو اس بنیاد پر وہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے اندر داخلہ لے لیتے ہیں اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حصول بھی کر لیتے ہیں مگر سائنسی شعبوں میں جیسا کہ طب، ارضیات، فلکیات، طبیعات، وغیرہ میں یہ ڈگریاں نہیں ہوتیں تو یہ کہنا مناسب نہیں ہوگا کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل طلباء اگر عصری علوم پر مہارت بھی حاصل کر چکیں اور عصری جامعات سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل بھی کر لیں تو وہ سائنسدان بن جاتے ہیں۔

دوسری گزارش یہ تھی کہ اگر علمائے کرام اور مفتیان کرام عصری جامعات سے تحقیق اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل بھی کرنا چاہتے ہیں تو تحقیق عالمی معیار کی کرنا ہوگی۔ اب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ عالمی معیار کی تحقیق کیسے کی جائے؟ تو اس کیلئے ہم دنیا کی بہترین جامعات کے اندر ہونے والی تحقیق کا اپنی تحقیق سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری تحقیق کی کتنی وقعت ہے۔ نیز ہم یہ بھی کوشش کریں کہ ہماری تحقیق عالمی معیاری سائنسی جرائد کے اندر چھپے اور اس کیلئے ہم کلیریویٹ (Clarivate) کی سائنسی جرائد کی لسٹ کے اندر سے اعلیٰ معیار کے سائنسی جرائد منتخب سکتے ہیں۔

تیسری گزارش یہ تھی کہ عالمِ اسلام کے اندر بہت ہی اعلیٰ اور معیاری قسم کی تحقیق کا کام مدارس کے نظم کے تحت سرانجام دیا جا رہا ہے اور اس کی مثال وہ مقالہ جات ہیں جو کہ البلاغ، بینات،

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک، وغیرہ اور دیگر جرائد کے اندر چھپ رہے ہیں اور یہ مقالہ جات انتہائی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ تخصص کے طلباء اپنے تحقیقی مضامین ان جرائد کی زینت بناتے ہیں مگر بنیادی طوری پر یہ رسائل وجرائد سائنسی نہیں ہیں۔ اب اگر ہمیں سائنسی تحقیق کرنی ہے تو ہمیں اپنی تحقیق کو سائنسی جرائد و رسائل کے اندر چھپوانا ہوگا۔ اسی طرح سے ہمارے اکابرین بار بار یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ مدارس کا مقصد سائنسدان یا انجینئر یا ڈاکٹر پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ایسے رجال کار تیار کرنا ہے جو کہ علومِ اسلامی میں مہارت رکھتے ہوں تا کہ دین کی خدمت پوری یکسوئی کے ساتھ کرسکیں، اب چونکہ کچھ مدارس علمائے کرام کو سائنسی تحقیق اور پی ایچ ڈی کی طرف راغب کر رہے ہیں تو ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ وہ سائنسی تحقیق کریں اور ان کی سائنسی تحقیق اعلیٰ معیار کی ہو۔

دوسری اہم چیز اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ مدارس سے بھی سائنسدان اور انجینئر اور میڈیکل ڈاکٹر حضرات کو نکلنا چاہیے تو پھر ان مدارس کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک نئی میڈیکل یونیورسٹی یا انجینئرنگ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لاتے ہیں تو وہ تو پہلے سے ہی موجود ہیں اور نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کی تعداد ۲۲۹ کے قریب ہے۔ اتنی وافر مقدار موجود ہونے کے باوجود پھر ان نئی یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں کیوں لایا جائے؟ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اس واسطے قیام میں لایا جائے تا کہ ہم دینی ذہن کے انجینئر، سائنسدان، اور ڈاکٹر تیار کرسکیں تو سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوسکے گا؟ اصل میں ان کے اندر داخلہ میرٹ کی بنیاد پر ہوگا تو آپ کیسے یہ قدغن لگائیں گے کہ سارے کے سارے دینی ذہن والے ہی داخلہ لیں گے اور کیسے حکومت اس بات کی اجازت دے گی اور کیسے عالمی ایکریڈیشن باڈیز ان کے اسناد کو تسلیم کریں گی؟ یعنی یہ عصری علوم کی جامعات مدارس کے نظام کے ماتحت تو نہیں ہیں کہ ان کے اندر صرف اور صرف دینی رجحان کو دیکھتے ہوئے داخلے دیئے جائیں، اس میں تو معاشرے کے تمام طبقات داخلہ لینے کے اہل ہوں گے اگر وہ میرٹ کی بنیاد پر اترتے ہوں۔ جب ہم مسلمان سائنسدانوں کی بات کرتے ہیں تو ان میں ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی، فخر الدین رازی، ابونصر محمد بن محمد فارابی، ابن سینا، محمد بن موسیٰ خوارزمی، امام غزالی، اور ابن خلدون قابلِ ذکر ناموں میں نظر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر سائنسدان طب، فلکیات، طبیعات، کیمیا، فلسفہ، علم الکائنات (کونیات)، ما بعد الطبیعات، منطق، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ سائنسی علوم کے ماہر تھے تو اگر ہمیں بحیثیت مسلمان سائنس کی دنیا میں اپنا نام پیدا کرنا ہے تو یہ بات ناگریز ہے کہ ہم ان سائنسی علوم پر محنت کریں۔ اگر طب کی دنیا میں مسلمانوں کا نام پیدا کرنا ہے تو پھر طب کے

مضامین پر عالمی سطح کی معیاری تحقیق کرنا ہوگی، اگر فلکیات پر مسلمان سائنسدانوں کو سکہ جمانا ہے تو پھر فلکیات پر ہم رسوخ پیدا کریں اور اگر ریاضی کے میدان میں مسلمانوں کا نام پیدا کرنا ہے تو پھر ریاضی کے علوم پر تحقیق کرنا ہوگی۔ اگر بحیثیت قوم ہم یہ چاہتے ہیں کہ پھر ہماری صفوں میں سے البیرونی، رازی، فارابی، ابن سینا، خوارزمی، غزالی اور ابن خلدون جیسے جید سائنسدان پیدا ہوں تو پھر ہمیں سائنس کے میدان میں ترقی کرنا ہوگی اور جیسا کہ ہم اس مضمون کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ پاکستان میں عصری جامعات اور ان کے اندر ہونے والی تحقیق عالمی سطح اور معیار کی نہیں ہے لہٰذا خالی ہمارے عزم کرنے سے ہم اس خلا کو پُر نہیں کر پائیں گے بلکہ اس کے لئے ہمیں اپنی عصری جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کے معیار کو بڑھانے کیلئے عملی اقدامات کرنے ہوں گے اور یہ عصری جامعات، ان کے عہدے داران اور پاکستانی سائنسدانوں کا میدان ہے جس پر وہ ایک عملی حکمتِ علمی تیار کریں اور یہ مدارس کے دائرہ کار کے اندر نہیں آتا۔

اگر ہم تیسری چوتھی صدی کے مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک ہی چھت کے نیچے مختلف علوم حاصل کرتے تھے۔ ایک لمحے کیلئے اگر ہم یہ نظام پاکستان میں نافذ کر دیں تو ہمارے پاس پاکستان کے اندر تعلیمی ادارے ہوں گے جو کہ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے تدریس بھی دیں گے اور پھر جو طالبعلم جس شعبے کے اندر مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس شعبے کو اختیار کر لے گا۔ مثلاً ایک طالب علم انٹرمیڈیٹ تک دینی اور عصری علوم حاصل کرے گا اور پھر وہ اپنے پسندیدہ شعبے کے اندر مہارت حاصل کرنے کے لئے بیچلرز، ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا حصول کرے گا۔ یہاں پر وہ چاہے تو انٹرمیڈیٹ کے بعد طب کے شعبے کو اختیار کر لے اور چاہے تو اسلامی تاریخ کے مضمون کو اختیار کرتے ہوئے اس کے اندر بیچلرز، ماسٹرز، اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کا حصول کرے۔ اس سے یہ ہوگا یہ جتنے بھی مدارس موجود ہیں وہ اس طریقے سے فعال نہیں رہیں گے جس طرح سے آج کے حالات میں موجود ہیں اور عصری علوم کا تو حال ہم اپنی جامعات میں دیکھ چکے ہیں تو پھر ہم ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے۔ تو خلاصہ کلام اس سارے مضمون کا یہ ہوا کہ اگر ہم سائنسی دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو عصری جامعات اور ان میں ہونے والی تحقیق کے معیار کو ہمیں بڑھانا ہوگا نہ کہ مدارس کے نظام کو تبدیل کر کے ان میں دینی علوم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھانے شروع کر دیئے جائیں وہ بھی اس نیت سے کہ ایسا کرنے سے ان مدارس سے بھی سائنسدان پیدا ہو سکیں۔

جناب شاہنواز فاروقی
ایڈیٹر روزنامہ ''جسارت'' کراچی

ایسٹ انڈیا کمپنی سے آئی ایم ایف تک
مغربی اقوام کی لوٹ مار کی ہولناک اور شرمناک تاریخ

جدید مغربی تہذیب دنیا کی واحد تہذیب ہے جس کا اپنے بارے میں کیا گیا ہر دعویٰ جھوٹا ہے، جدید مغرب خود کو مہذب کہتا ہے اور جدید مغرب کی تاریخ بدتہذیبی سے بھری ہوئی ہے، جدید مغرب خود کو ایمان دار کہتا ہے اور جدید مغرب کی تاریخ لوٹ مار سے اٹی ہوئی ہے، جدید مغرب انسانی آزادی کو پوجتا ہے مگر جدید مغرب کی تاریخ دوسری اقوام کو مسلسل غلام بنانے کی تاریخ ہے، مغرب خود کو عقل پرست یا Rational کہتا ہے مگر مغرب سے زیادہ Irrational کوئی نہیں، مغرب خود کو جمہوریت پسند کہتا ہے مگر مغرب مسلم دنیا میں کہیں اسلامی تحریکوں کو جمہوری طریقے سے اقتدار میں آتے نہیں دیکھ سکتا، مغرب مساوات کا دعویدار ہے مگر اسے عدم مساوات سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔

آیئے! مغربی اقوام کی لوٹ مار، ان کی بدتہذیبیوں اور ان کے تخلیق کیے ہوئے انسانی جہنم پر ایک نظر ڈالتے ہیں، مغربی اقوام کا تصورِ ذات یہ رہا ہے کہ ان کی طرح کوئی نہیں ہے، ہٹلر جرمن قوم کو دنیا کی سب سے برتر قوم سمجھتا تھا، برطانیہ نے اپنے نام کے ساتھ عظیم لگا کر خود کو Great Britain بنایا ہوا ہے، امریکی اپنے آپ کو دنیا کا خدا سمجھتے ہیں مگر مغربی اقوام نے نوآبادیاتی دور میں اپنی نوآبادیوں کو اس طرح لوٹا کہ مغربی اقوام کو چور اور ڈاکو قرار دینا چوروں اور ڈاکوں کی توہین ہے۔

اتسا پٹنائک (Utsa Patnaik) دہلی کی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں پروفیسر امریطس (Professor Emeritus) ہیں، اتسا پٹنائک کی تحقیق کے مطابق انگریزوں نے بھارت پر قبضے کے بعد سے ۱۷۶۵ء۔۱۹۲۸ء تک پینتالیس ہزار ارب ڈالر یا پینتالیس ٹریلین ڈالر کی لوٹ مار کی اور یہ رقم بھارت سے برطانیہ منتقل کی (ہندوستان ٹائمز: ۳۰ر اکتوبر ۲۰۱۸ء)

اتسا پٹنائک نے اس دعوے کو اپنے ایک انٹرویو میں بھی دہرایا، یہ انٹرویو www.livemint.com پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اتسا سے پوچھا گیا آپ نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں کہا ہے کہ انگریزوں نے

بھارت سے ۴۵ ہزار ارب ڈالر برطانیہ منتقل کئے، کیا آپ اس رقم کو تناظر مہیا کرتے ہوئے بتا سکتی ہیں کہ اس رقم سے بھارت کی معیشت میں کیا فرق واقع ہوسکتا تھا؟ اس کے جواب میں اتسا پٹنا ئک نے کہا جی ہاں! یہ رقم برطانیہ منتقل ہوئی، یہ رقم بھارت میں انگریزوں کی مرکزی حکومت کے مجموعی بجٹ کا چھبیس سے چھتیس فیصد تھی اور اگر یہ رقم ہندوستان میں رہتی تو ہندوستان زیادہ ترقی یافتہ ہوتا (اس لوٹ مار کی وجہ سے) بھارت میں ۱۹۰۰ء سے ۱۹۶۴ء تک فی کس آمدنی میں کوئی اضافہ نہ ہوا حالانکہ ۱۹۲۹ء سے تین دہائیاں قبل عالمی معیشت کے دائرے میں ہندوستان Surplus earnings کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک تھا چونکہ ہندوستان کی ساری آمدنی برطانیہ لے اڑا، اس لئے ہندوستانی معیشت کا انجماد قابلِ فہم ہے، یہ بات تکلیف دہ معنوں میں حیران کن ہے کہ ۱۹۱۱ء کے دوران ہندوستان کے شہریوں کی اوسط عمر صرف بائیس سال تھی چونکہ انگریزوں نے ہندوستانیوں پر بھاری محصولات عائد کئے ہوئے تھے، اس لئے اس کا اثر غذائی اجناس کی دستیابی اور استعمال پر بھی پڑا، ۱۹۰۰ء میں بھارت کا ہر شہری اوسطاً دوسو کلوگرام گندم استعمال کرتا تھا تاہم دوسری عالمی جنگ کے بعد ۱۹۴۶ء میں ایک عام ہندوستانی بہ مشکل ۱۳۷/کلو گرام گندم کھا رہا تھا، یہ صورتحال دنیا کے پسماندہ ترین ملک سے بھی بدتر تھی، ۱۷۷۰ء میں بنگال میں قحط پڑا اور خود انگریزوں کے اپنے اعداد وشمار کے مطابق اس وقت بنگال کی آبادی تین کروڑ تھی، قحط ان میں سے ایک کروڑ افراد کو نگل گیا، انگریز قبضے کے دوران ہندوستان کے پینتالیس ہزار ارب ڈالر لوٹ کر لے گئے، کیا آپ کو اندازہ ہے کہ ۴۵/ ہزار ارب ڈالر کتنی بڑی رقم ہے؟

اس وقت بھارت کا شمار دنیا کی دس بڑی معیشتوں میں ہوتا ہے اور اس کی مجموعی قومی پیداوار یا GDP تقریبا دو ہزار ارب ڈالر ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ موجودہ ہندوستان بائیس سال تک جو کچھ کمائے گا وہ اس رقم کے برابر ہوگا جو عظیم برطانیہ لوٹ کر لے گیا، پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار اس وقت تین سو پانچ ارب ڈالر ہے، اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان آئندہ ایک سو اڑتالیس سال تک جو کچھ کمائے گا وہ ۴۵/ ہزار ارب ڈالر کے مساوی ہوگا یعنی برطانیہ کی لوٹ مار پاکستان کے ایک سو اڑتالیس سال کی آمدنی کھا گئی، اس کے باوجود برطانیہ مہذب ہے، عقل پرست ہے، روشن خیال ہے، انسان دوست ہے، مساوات کا قائل ہے، عظیم ہے لیکن یہ برطانیہ کا واحد ظلم نہیں تھا، برطانیہ ہندوستان کے معاشی استحصال کے حوالے سے اور کیا کر رہا تھا؟ اتسا پٹنا ئک کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے کہتی ہیں انگریزوں سے پہلے ہندوستان نوابین کے ماتحت تھا اور نوابوں نے بھی عوام پر بھاری محصولات عائد کئے ہوئے تھے مگر انگریزوں نے ٹیکس کو تین گنا کر دیا چنانچہ انگریزوں کی حکومت نے اہلِ ہندوستان کو قحط زدہ کر دیا، انگریزوں

نے مزید ظلم یہ کیا کہ وہ ہندوستانیوں سے ٹیکس کی صورت میں جو رقم حاصل کرتے تھے اس رقم سے وہ ہندوستان کی تیار کی ہوئی مصنوعات خریدتے تھے اور یہ مصنوعات خرید کر وہ برطانیہ بھیج دیتے تھے، اس کا طریقہ انہوں نے یہ بنایا ہوا تھا کہ ٹیکس وصول کرنے والا Collector ٹیکس وصول کرتا تھا، انگریز یہی رقم کسی اور شخص کو دے کر اس سے مصنوعات کی خریداری کرا لیتے تھے، چنانچہ ہندوستانیوں کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ ان کے دیئے ہوئے ٹیکس سے انگریز ہندوستانیوں کی مصنوعات خرید رہے ہیں، اگر یہ دونوں کام ایک ہی شخص کرتا تو پھر ہندوستانی اصل کھیل سے آگاہ ہوجاتے، ان حقائق کا مطلب یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستانیوں سے مصنوعات مفت خریدتی رہی۔

اتسا پٹنائک سے سوال کیا گیا What happend to the money that was drain out of India? what was it used for? اس رقم کا کیا بنا جو بھارت سے برطانیہ بھیجی گئی؟ یہ کس مقصد کے لئے بروئے کار آئی؟ اس سوال کا جواب ان کے الفاظ میں سنئے! انہوں نے کہا: The modern capitalist world would not exist with out colonialism and drain مغربی اقوام کے برپا کئے ہوئے نوآبادیاتی دور اور ان کی لوٹ مار کے بغیر جدید سرمایہ دار دنیا وجود میں نہیں آسکتی تھی۔

جدید مغرب کی جھوٹی عظمت کی پشت پر کئی چیزوں کا تذکرہ موجود ہے، جدید مغرب نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا حاصل ہے، صنعتی انقلاب کا نتیجہ ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا پروردہ ہے، مغربی لوگوں کی عبقریت کا ساختہ ہے، اہلِ مغرب کی محنت کا ثمر ہے مگر اتسا پٹنائک ٹھوس شہادتوں کی بنیاد پر کہہ رہی ہیں کہ مغرب کی سرمایہ دارانہ دنیا نوآبادیاتی تجربے اور مغربی اقوام کی لوٹ مار اور استحصال کے بغیر خلق نہیں ہوسکتی تھی، یہ امر ظاہر ہے کہ انگریز جو کچھ ہندوستان میں کر رہے تھے، وہی کچھ وہ دوسری نوآبادیات میں بھی کر رہے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریز اگر صرف ہندوستان سے ۴۵ ہزار ارب ڈالر لوٹ کر لے گئے تو انہوں نے اپنی تمام نوآبادیات میں کتنی زیادہ لوٹ مار کی ہوگی لیکن یہ معاملہ صرف انگریزوں یا برطانیہ تک محدود نہیں، فرانسیسی بھی اپنی کالونیوں میں یہی کر رہے تھے، اطالوی، پرتگالی، ولندیزی اور جرمن بھی اپنی اپنی نوآبادیات میں یہی گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے، مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود تمام مغربی اقوام مہذب بھی ہیں، صاحبِ علم بھی ہیں، صاحبِ اخلاق بھی ہیں، مسلم دنیا کے بوکھلائے مغرب زدگان ہمیں بتاتے رہتے ہیں کہ اہلِ مغرب کی طرح کوئی ایمان دار نہیں، ان کی طرح کوئی مہذب نہیں، ان کی طرح کوئی عقل مند نہیں۔

آپ یہ خیال نہ کیجیے گا کہ اتسا پٹنائک اپنے خیالات میں تنہا ہیں، کچھ عرصہ قبل پاکستان کے

ایک صحافی اور دانشور ''ایوب ملک'' نے مغرب کے ممتاز دانشور ''نوم چومسکی'' سے ملاقات کی، اس ملاقات میں نوم چومسکی نے کیا کہا؟ ملاحظہ فرمائیے! انہوں نے کہا یہ خطہ (یعنی برصغیر) سترہویں صدی میں دنیا کا خوشحال ترین خطہ تھا، ٹیکسٹائل کی مقامی صنعت جو کہ اس وقت یورپی صنعت سے زیادہ ترقی یافتہ تھی، اسے انگریز تاجروں اور انگلستان میں آنے والے صنعتی انقلاب نے تباہ کر دیا، کیا وجہ تھی کہ اٹھارہویں صدی تک یورپین سیاح ہندوستان، چین اور جاپان سے متاثر نظر آتے تھے؟

۱۷۰۰ء کی دہائی میں جنوبی ایشیا صنعتی ترقی میں بہت آگے تھا اور ۱۸۲۰ء تک برطانیہ کے صنعت کار یہاں لوہے سازی کی تربیت لینے آیا کرتے تھے، ریل کے انجن بنانے کی جو صنعت بمبئی میں تھی وہ ٹیکنیکل طور پر برطانیہ کی صنعت کے برابر تھی، انڈیا کی لوہے کی صنعت اور بھی ترقی کر سکتی تھی اگر برطانیہ کی جانب سے امپورٹ پر ڈیوٹیاں نہ لگائی جاتیں، یاد رہے ہندوستان نہ صرف صنعتی لحاظ سے انگلستان سے آگے تھا بلکہ تہذیبی لحاظ سے بھی بہت آگے تھا، جتنی تعداد میں کتابیں صرف بنگال میں شائع ہوتی تھیں، اتنی تعداد میں پوری دنیا میں شائع نہیں ہوتی تھیں، ڈھاکہ کا مقابلہ لندن سے کیا جاتا تھا، انگلستان نے اسٹیل ہندوستان سے لے کر اپنی ٹیکسٹائل اور شپ بلڈنگ انڈسٹری بنائی تھی (روزنامہ جنگ: ۱۰ر ستمبر ۲۰۱۸ء)

اتسا پٹنائک نے ایک اور اہم مسئلے پر روشنی ڈالی ہے، انہوں نے مسلمانوں اور انگریزوں اور ان کی حکومتوں کے فرق کو واضح کیا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ آج کل ہندوستان میں مغلوں کے دور کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں ہو رہی ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بھارت کے لوگوں کیلئے مغل اور انگریز دونوں باہر سے آئے ہوئے یا **Outsider** تھے؟ اس سوال کے جواب میں اتسا نے کہا

> **The Mughals did come from outside, but then waves of migration have always come from outside. What the Mughals did was exactly what the Rajasthan Princes also did. They taxed the people, but in moderation, and spent all taxes within the country.They settled here and did not retain any permanent ties with their places of origin. Clearly, the Mughals can in no way be equated with the British because there was no export drive, no cheating of local producers, and no tax-financed annual drain out of the subcontinent.**

مغل باہر سے آئے لیکن اگر ایسا ہے تو تارکینِ وطن کی لہر بھی باہر ہی سے آتی ہے، مغلوں نے وہی کیا جو راجستھان کے مقامی شہزادوں نے کیا، انہوں نے لوگوں پر ٹیکس لگائے مگر اوسط درجے کے ٹیکس، اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے عوام سے حاصل ہونے والی ٹیکسوں کی رقم ملک کے اندر ہی خرچ کی، مغل

یہیں بس گئے اور انہوں نے اپنے آبائی علاقوں سے کوئی مستقل تعلق نہ رکھا، چنانچہ مغلوں کا موازنہ کسی طرح بھی انگریزوں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے ہندوستان سے کوئی چیز باہر برآمد نہیں کی، نہ ہی انہوں نے مقامی پیدا کاروں یا Producer کو دھوکہ دیا اور نہ ہی انہوں نے محصولات سے حاصل ہونے والی رقم کے ذریعے مقامی مصنوعات خرید کر باہر بھیجیں۔

اتسا سے پوچھا گیا کہ کیا برطانیہ سے لوٹی ہوئی رقم واپس کرنے کا مطالبہ کرنا چاہیے؟ اس کے جواب میں اتسا نے کہا کہ صرف برطانیہ کو نہیں بلکہ تمام مغربی اقوام کو لوٹی ہوئی رقم اپنی سابقہ کالونیوں کو واپس کرنی چاہیے اور انہیں اپنی مجموعی قومی پیداوار کا ایک حصہ ہر سال اس کے لئے وقف کرنا چاہیے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مغربی اقوام کا اخلاقیات سے کوئی تعلق ہی نہیں، وہ لوٹی ہوئی رقم کیا واپس کریں گی، وہ تو اپنی سابقہ کالونیز کو گزشتہ پچاس سال سے قرضوں کے جال میں جکڑنے کے لئے کوشاں ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت ترقی پذیر ممالک چار ہزار ارب ڈالر سے زیادہ کے قرضوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، صرف پاکستان کے بیرونی قرضے ایک سو ارب ڈالر ہوگئے ہیں اور آئی ایم ایف سے عمران خان کی حکومت کے مذاکرات کامیاب رہے تو بہت جلد پاکستان کا بیرونی قرض ایک سو سات ارب ڈالر ہوجائے گا، مغربی ممالک اور ان کے مالیاتی ادارے تاثر دیتے ہیں کہ وہ غریب ممالک کو قرض مہیا کرکے ان کی معاشی مشکلات کو کم کرتے ہیں اور ان کی معیشت کو مضبوط بناتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے قیام کا بنیادی مقصد غریب اور کمزور ممالک کو مغرب کا معاشی غلام بنانا ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عالمی بینک اور آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ سے زیادہ ممالک کو مدتوں سے قرض دے رہے ہیں مگر ان ممالک میں سے کسی ملک کی معیشت مضبوط نہیں، اس کے برعکس صورتحال یہ ہے کہ غریب ممالک کے قومی بجٹ کا بڑا حصہ بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی میں صرف ہو رہا ہے، مثلاً اس وقت پاکستان کے بجٹ کا تقریباً چالیس فیصد سود کی ادائیگی پر خرچ ہو رہا ہے یا ہونے ہی والا ہے، پاکستان کا قرض بڑھے گا تو سود کی ادائیگی کا دائرہ مزید وسیع ہوگا اور وہ وقت آسکتا ہے کہ پاکستان کا آدھے سے زیادہ بجٹ سود کی ادائیگی پر خرچ ہونے لگے، یہی قصہ دنیا کے دوسرے غریب اور ترقی پذیر ممالک کا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ مغربی اقوام دو سو سال تک براہِ راست اپنی نوآبادیات کو لوٹ کر اپنی معیشتوں کو مضبوط کرتی رہیں اور اب گزشتہ پچاس سال سے وہ یہی کام قرضوں کا سود وصول کرکے انجام دے رہی ہیں یعنی یہ قومیں کل بھی انسانیت کی دشمن تھیں اور آج بھی انسانیت کی دشمن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی اقوام نے اربوں انسانوں کیلئے اس دنیا کو سیاسی، معاشی اور سماجی جہنم

بنایا ہوا ہے، Oxfame کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کے صرف آٹھ افراد کی دولت 3.6 ارب انسانوں کی دولت کے مساوی ہے، مغرب اور اس کے احمق متاثرین اکثر شور مچاتے رہتے ہیں کہ بادشاہت کا نظام بڑا انسانیت کش تھا، ایک بادشاہ کے پاس اپنی پوری قوم سے زیادہ دولت ہوتی تھی، بادشاہ عیش کرتا تھا اور اس کی رعیت معاشی مشکلات کا شکار رہتی تھی مگر آج مغرب کی تخلیق کردہ آزاد دنیا، جمہوری دنیا، عقل پرست دنیا، روشن خیال دنیا اور جدید دنیا کا یہ حال ہے کہ صرف آٹھ بادشاہ تین ارب ساٹھ کروڑ افراد سے زیادہ دولت مند ہیں، یہ دولت کی عریانی و فحاشی کی انتہاء ہے، یہ مغرب کی پیدا کردہ دنیا کی ایسی تصویر ہے کہ اگر اس تصویر کو شیطان بھی غور سے دیکھ لے اور اس کے معنی سمجھ لے تو وہ بھی مغرب پر تھوک دے اس کی وجہ ہے، مغرب کی پیدا کردہ دنیا میں ایک طرف آٹھ لوگ آدھی دنیا کی دولت کے مالک ہیں، دوسری طرف اسی دنیا میں ایک ارب انسان انتہائی غربت میں مبتلا ہیں، ان افراد کی یومیہ آمدنی ایک ڈالر اور دو ڈالر کے درمیان ہے، مغرب کے پیدا کردہ جہنم کی سنگینی کا مزید اندازہ کرنا ہو تو سویڈن کے تحقیقاتی ادارے کی رپورٹ ملاحظہ کرنی چاہیے روزنامہ ڈان کراچی کی ایک تفصیلی خبر کے مطابق ۲۰۱۸ء میں دنیا کے تمام ممالک نے اپنی عسکری صلاحیت کو بہتر بنانے پر صرف اٹھارہ سو بائیس ارب ڈالر صرف کئے ہیں۔ (ڈان کراچی: ۳۰/اپریل ۲۰۱۹ء)

یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے ساری دنیا کے انسانوں کو صاف پانی مہیا کیا جا سکتا ہے، تمام غریبوں کو علاج کی سہولتیں فراہم کی جا سکتی ہیں، دنیا کے تمام بچوں کے لئے بنیادی تعلیم کا بندوبست ہوسکتا ہے مگر مغرب کی پیدا کردہ دنیا میں اتنا عدم تحفظ، اتنا خوف اور ایک دوسرے سے اتنی نفرت ہے کہ ہر ملک اپنے دفاع پر زیادہ سے زیادہ رقم صرف کر رہا ہے، مغرب کی پیدا کردہ دنیا اگر مہذب ہوتی، مغرب کی پیدا کردہ دنیا اگر عقل پرست ہوتی، مغرب کی پیدا کردہ دنیا اگر انسانی ہوتی، مغرب کی پیدا کردہ دنیا اگر علم کی پیروکار ہوتی، مغرب کی پیدا کردہ دنیا اگر جمہوری ہوتی تو دنیا میں اتنا خوف نہ ہوتا کہ وہ صرف ایک سال میں ہتھیار خریدنے اور افواج کو بہتر بنانے پر ۱۸۲۲/ارب ڈالر صرف کرتی، رپورٹ کے مطابق امریکہ نے ۲۰۱۸ء میں دنیا کے کسی بھی ملک سے زیادہ ہتھیاروں اور فوج پر خرچ کیا، رپورٹ کے مطابق امریکہ نے ۲۰۱۸ء میں ہتھیاروں اور فوج پر ۶۴۹ارب ڈالر خرچ کئے، امریکہ دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے، عسکری اعتبار سے سب سے طاقتور ملک ہے مگر اس کے حکمران جنگی خواہشات پر سب سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں، یہ دراصل دنیا پر غلبے کی نفسیات کا حاصل ہے، غلبے کی یہ نفسیات ہمیشہ سے موجود ہے مگر مغرب نے اس نفسیات کو جنون بنا دیا ہے، اس لئے بھی مغرب کی پیدا کردہ دنیا جہنم بنی ہوئی ہے۔

مغرب کے دعوے کے مطابق اس کی پیدا کردہ دنیا قانون و انصاف کی دنیا ہے مگر اس دنیا میں قانون و انصاف کا کیا عالم ہے؟ اس کا اندازہ مغرب کے قائم کردہ ادارے ورلڈ جسٹس فورم کی ایک رپورٹ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے، رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کے پانچ ارب دس کروڑ افراد بامعنی انصاف تک رسائی نہیں رکھتے (ڈان کراچی: ۳۰/اپریل ۲۰۱۹ء)

رپورٹ کے مطابق پچیس کروڑ سے زیادہ انسان نا انصافی کی انتہائی صورت میں زندہ ہیں جبکہ چار ارب پچاس کروڑ افراد ایسے ہیں جنہیں قانون سے مہیا ہونے والے مواقع میسر نہیں، رپورٹ کے مطابق ناانصافی سے مزید ناانصافی جنم لیتی ہے، پاکستان میں انصاف کا یہ حال ہے کہ ماتحت عدالتوں کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ ان عدالتوں میں وکیل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ جج کرلیا جائے یعنی جج کو خرید لیا جائے، اعلیٰ عدالتوں کا یہ حال ہے کہ ان کے اکثر فیصلے سیاسی ہوتے ہیں، ملک میں ماتحت عدالتوں کا انصاف بھی اتنا مہنگا ہے کہ ملک کی اسی فیصد آبادی اس کا مالی بوجھ نہیں اٹھا سکتی، عام آدمی مالی اعتبار سے اعلیٰ عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کی استعداد نہیں رکھتا مگر یہ انصاف کا صرف ایک پہلو ہے، انصاف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اتنا سست ہے کہ اس کے حصول میں برسوں لگ جاتے ہیں اور انصاف کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، ہمارے عدالتی نظام میں وکلاء کا کردار بنیادی ہے اور وکیل کے بارے میں اکبرالہ آبادی نے ڈیڑھ سوسال پہلے کہا تھا...... پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا لو آج میں بھی صاحبِ اولاد ہوگیا

بدقسمتی سے یہ صرف پاکستان کے حقائق نہیں ہیں، یہ کم و بیش اس پوری دنیا کے حقائق ہیں جو مغرب کی پیدا کردہ ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساڑھے سات ارب انسانوں کی دنیا میں پانچ ارب دس کروڑ انسان بامعنی انصاف تک رسائی ہی نہیں رکھتے، جس دنیا میں ظلم ہی ظلم ہو، عدم مساوات ہی عدم مساوات ہو، طاقت ہی طاقت ہو، اس دنیا میں اگر انصاف بھی نہ ہو تو اس دنیا کے جہنم ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ ایک جانب مغرب کی تخلیق کردہ دنیا کا یہ عالم ہے کہ وہ جہنم کا منظر پیش کر رہی ہے، دوسری جانب مغرب اپنے پروپیگنڈے کے ذریعے یہ تاثر دے رہا ہے کہ اس نے دنیا کو جنتِ ارضی میں ڈھال دیا ہے، انسان چاند پر پہنچ چکا ہے، مریخ پر کمند ڈالنے والا ہے، مغرب کے دانشور کہہ رہے ہیں کہ انسان موت پر قابو پانے ہی والا ہے اور دائمی زندگی انسان کا مقدر بننے ہی والی ہے، بدقسمتی سے مغرب کی جنت ایک مفروضہ ہے مگر مغرب کا جہنم ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مغرب نے جنتِ ارضی تخلیق کی ہے تو یہ جنت کہیں مغرب کے چند ملکوں کیلئے ہے، کہیں دنیا کی ایک فیصد آبادی کیلئے، کہیں ان آٹھ افراد اور ان کے متعلقین کیلئے ہے جنہوں نے ساڑھے تین ارب انسانوں کے برابر دولت جمع کر لی ہے۔

مولانا اجون سید حقانی
نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

مسلح تصادم اور ہنگامی حالات میں صحافت

(رپورٹ دوروزہ ورکشاپ برائے مدیران دینی جرائد)

آئی سی آر سی اور آئی پی ایس کے اشتراک سے لاہور کے ''فور پوائنٹس بائی شیریٹن ہوٹل'' میں ۲۶۔۲۷ جون کو مدیران دینی جرائد کی ورکشاپ منعقد ہوئی، جس میں ماہنامہ ''الحق'' کی طرف سے احقر نے شرکت کی، آئی سی آر سی (بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی) ایک انسان دوست تنظیم ہے جس کا قیام ۱۸۶۳ء کو عمل میں لایا گیا اس کے بانی سوئٹزرلینڈ سے تعلق رکھنے والے چند تاجر تھے، اس تحریک کا مقصد شروع ہی سے غیر جانبدرانہ انسانی خدمات ہیں، اس تحریک کے سات اصول بتائے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ انسانیت ، غیر وابستگی، غیر جانبداری، خودمختاری، رضا کارانہ خدمت، اتحاد اور عالمگیریت، یہ تنظیم پوری دنیا میں کام کرتی ہے۔ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد ایک علمی وتحقیقی ادارہ ہے، جو ۱۹۷۹ء سے تحقیق ، تجزیہ اور تربیت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اس کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر خالد رحمٰن صاحب ہیں جو کہ عالم، فاضل محقق اور تجزیہ نگار ہیں، ورکشاپ میں شرکت کے لئے احقر اپنے دو رفقائے سفر مولانا سید مقسط علی شاہ باچا مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''المہر بان'' اور ماہنامہ ''القاسم'' کے معاون مدیر صاحبزادہ حافظ محمد احمد کے ہمراہ لاہور پہنچا، پہلے دن جامعہ اشرفیہ حاضری دی، میانی قبرستان گئے، جہاں ولی کامل شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ اور غازی علم الدین شہیدؒ کی قبور کی زیارت وفاتحہ خوانی کی۔ داتا دربار بھی گئے، مولانا سید مقسط علی شاہ باچا کے ایک پہچان والے جناب مولانا محمد عثمان صاحب کے مکتبے ''دارالعلم'' گئے جو کہ دربار کے قریب ہی واقع ہے، وہاں کتابوں کی ورق گردانی کی، مولانا محمد عثمان صاحب نے پرتکلف ظہرانے کے لئے لاہور کے مشہور ہوٹل ''خان بابا ریسٹورنٹ'' لے گئے، انہوں نے اپنے علمی اور تحقیقی کاموں کے متعلق بھی بتایا، موصوف ایک بہت بڑے علمی منصوبے پر کام کررہے ہیں، جتنے بھی قدیم طبع شدہ کتابیں ہیں سب کو ڈیجیٹلائز کرکے ''دارالعلم'' کے نام سے بنی ویب سائٹ پر ڈال رہے ہیں، انہوں نے اس کام سے متعلق تفصیلی بریفنگ دی، شام کو ہوٹل پہنچے جہاں مدیران رسائل و جرائد سے ملاقاتیں ہوئیں، اگلے روز ۲۶ جون صبح ساڑھے آٹھ بجے ہال پہنچے، تلاوت اور نعت شریف کے بعد جناب سید ندیم فرحت (ریسرچ فیلو

انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز) نے ورکشاپ کا آغاز کیا، ابتدائی گفتگو میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اور ورکشاپ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی، ان کے بعد ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی نے ''ریڈ کراس اور ہلال احمر تحریک، انسان دوستی اور بین الاقوامی قانون'' سے متعلق اظہار خیال کیا، ان کی گفتگو سلجھی ہوئی اور عالمانہ ومحققانہ تھی، شرکاء نے ڈاکٹر رحمانی صاحب سے سوالات بھی کیے جن کا انہوں نے جوابات دیئے، اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔

وقفے کے بعد ڈاکٹر یاسر ریاض اور ڈاکٹر سید ندیم فرحت نے ''انسانی المیے کی مختلف صورتیں اور انسانی زندگی'' کے موضوع پر پریذنٹیشن پیش کی۔ جس میں انسانی المیہ کیا ہوتا ہے؟ اور یہ کیسے وقوع پذیر ہوتا ہے؟ انسانی المیہ کی اقسام اوران میں باہمی فرق، افراد او رمعاشرے میں موجود کمزوریاں اور آفات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتیوں پر اس کے اثرات، انسانی المیے کے اثرات اوراس سے منسلک حساسیت جیسے عنوانات پر بحث کی، اس کے بعد معروف صحافی جناب وقار بھٹی صاحب نے ''انسان دوست صحافت کے ذریعے انسانی خدمت'' کے عنوان سے گفتگو کی، جس میں انہوں نے پاکستان میں مختلف بیماریوں سے جان بحق ہونے والوں کا اعداد وشمار، بعض بیماریوں کا فوری علاج اور رپورٹ کرنے کے طریقے بتائے۔ ظہر اورظہرانے کے بعد دو بجے تیسری سیشن کا آغاز ہوا، اس میں ندیم فرحت اور یاسر ریاض صاحبان نے ''پیچیدہ انسانی المیہ، ہمہ جہتی تعارف، اسٹڈی سرکل: انسانی خدمات کے ادارے اور ان کے بنیادی اصول'' کے موضوعات پر محاضرات پیش کئے۔ پہلے دن کے محاضرات پانچ بجے ختم ہوئے، عصر کے بعد چڑیا گھر گئے لیکن وقت ختم ہو چکا تھا، مغرب کی نماز قریب ہی خانقاہ اشرفیہ کی مسجد میں ادا کی اور ہوٹل واپس پہنچے۔ دوسرے دن ۲۷ جون کو صبح نو بجے تلاوت سے ورکشاپ کا آغاز ہوا، ڈاکٹر یاسر ریاض اور سید ندیم فرحت صاحبان نے ''انسانی المیے اورانسان دوست خدمات کی رپورٹنگ اور تجزیے میں درکار احتیاطیں'' کے متعلق آگاہی دی اور عملی سرگرمی بھی کروائی۔ اس کے بعد معروف صحافی طارق حبیب نے ''ہنگامی حالات میں معلومات کا حصول، انتخاب اور استعمال'' کے موضوع پر اپنے تجربات شیئر کئے۔ ''مسلح تصادم اور ہنگامی حالات سے متعلق مشاہدات اور دی گئی صورتحال سے متعلق خبر، اداریہ اور تجزیے لکھنے کی عملی مشق گروپ کی شکل میں کروائی گئی، ہر گروپ کی آرا وتجاویز پڑھ کی سنائے گئے، اس کے بعد ظہر کی نماز اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ دو بجے اختتامی سیشن کا آغاز ہوا، جس میں ہر مکتب فکر کے منتخب مدیران نے ورکشاپ سے متعلق اپنے خیالات واحساسات بیان کئے، ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی اور ڈاکٹر خالد رحمان صاحب نے اختتامی کلمات کہے۔ شرکاء کا شکریہ ادا کیا، اسناد تقسیم کیں اور دعا کے ساتھ شرکاء کو رخصت کیا۔ یہ دو روزہ ورکشاپ ہر لحاظ سے قابل تعریف تھی، مدیران جرائد نے اس کی افادیت کو سراہا اوراس طرح کے مثبت ورکشاپ کو جاری رکھنے کی سفارش کی۔

جناب رشید یوسفزئی
معروف لکھاری وبلاگر

میکالے اور مشرقی ادب: چند نکات

لارڈ میکالے برصغیر کے جدید لبرل اشرافیہ کے حقیقی فکری جد امجد تھے، نو آبادیاتی نظام کی مطلوبہ سانچوں میں میکالے نے مقامی اشرافیہ کی ذہن سازی کی جس کے نتیجے میں غیر سفید فام مقامی کالے انگریز پیدا ہوئے ذہنی طور پر آدھے تیتر، لباس و ثقافت میں آدھے بٹیر، لارڈ میکالے خوبصورت انگریزی لکھتے تھے الفاظ کا پختہ و ماہرانہ چناؤ، بلورین و منور (crystal and metallic) جملے، مضبوط و مربوط (taut and tight) خوش نما پیراگراف لکھنے میں بے مثال، قصہ گوئی اور بیان کی سلاست و روانی میں بے ہمال ادیب سے بڑھکر لارڈ میکالے کی اہمیت بطور مؤرخ ہے تاریخ انگلینڈ (History of England) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ایسی کتاب لکھتا ہوں جس کی جاذبیت و جادوگری میں دوشیزائیں ناول خوانی چھوڑ دیں گی اور ایسا ہی معجزہ کر کے دکھایا، پیدائش کیساتھ کتاب بینی کا جنون لائے تھے زندگی کا تجربہ محض کتابی تھا اور یوسفی کے الفاظ میں انتہائی ناقص تھا دوران طالب علمی ہر امتیازی تمغہ جیت لیا تھا جوانی میں مالی طور پر مشکل ایام سے گزر رہے تھے۔ ایک دفعہ کتابیں خریدنے کیلئے پیسے نہ تھے اپنا گولڈ میڈل فروخت کیا، تیس سال کی عمر تک بطور نثر نویس برطانیہ کے اعلیٰ ترین ادبی حلقوں سے لے کر عام آدمی تک سے پذیرائی حاصل کر چکے تھے حین حیات تھامس کارلائل، جان رسکن اور میتھیو آرنلڈ سے بڑھ کر مقبول تھے، ڈبلیو ایچ آڈن نے Outline History of English Literature میں لکھا ہے کہ اس حفظ مراتب (Order of precedence list) پر رائے عامہ نے بہت جلد نظر ثانی کی اور وفات کے چند سال لارڈ میکالے سب سے متنازعہ شخص بن گئے یہ بات درست بھی ہے کیونکہ تب لنڈن میں مقیم کارل مارکس نے لارڈ میکالے کو Systematic falsifier of history اور مریضانہ دروغ گو Pathological liar لکھا ہے، لٹن سٹریچی Lytton Strachey نے اپنے سوانحی مقالات Spectacular Essays میں میکالے کو بطور ادیب آڑے ہاتھوں لینے کے بعد لکھا ہے: As a thinker Macaulay was neither original nor profound. سی سالگی میں میکالے پارلیمنٹ ممبر بنے اور کچھ سال بعد انڈین لیجسلیٹو کونسل میں بطور ممبر تعیناتی کی پیشکش ہوئی، تب انڈیا انگریزوں کیلئے سونے کی چڑیا تھی، ککھ پتی آتے اور لکھ پتی لندن واپس لوٹتے، مالی مشکلات سے

چھٹکارا پانے کے لئے میکالے نے یہ افر دونوں ہاتھوں سے قبول کیا ۱۸۳۰ء کی دہائی کے نصف اول میں میکالے انڈیا آئے، عمر بھی تیس کی دہائی میں تھی اور اسی جوانی میں انڈیا بلکہ اس تمام خطے کی تاریخ ثقافت و سیاست کا نقشہ ہمیشہ کیلئے بدل دیا، ہندوستان کیلئے قانون بنائے اور آج تک پاکستان کی بلاسفیمی لاز وہی لارڈ میکالے کے وضع کردہ ہیں۔

میکالے انڈین ایجوکیشن سسٹم کے بے رحم ناقد و مخالف تھے اور انڈین تہذیب و تمدن کے دشمن، اہلیان ہند کی تحقیر اور وائٹ مین کی برتری کا جو فکری سلسلہ میکالے نے شروع کیا اس نے آگے روڈیارڈ کپلنگ، سر ارتھر بالفور اور سر ونسٹن چرچل جیسے بدخو و متکبر نسل پرستوں اور شانسٹو (جاہ طلبوں) کی ذہن سازی کی میکالے نے لیجسلیٹو کونسل میں تعلیمی اصلاحات پر مشہور و متنازعہ Minutes on Indian Education پیش کئے، کونسل کے نو ممبران اور تھے جن میں سے کچھ غیر متفق تھے، میکالے نے وائسرے کو کہا اگر اس کی تجاویز نہیں مانی جاتیں تو اس کا استعفیٰ مانا جائے، وائسرائے نے گھٹنے ٹیک دیئے اور نتیجہ ابھی تک آپ سب کے سامنے ہے، منٹس ان انڈین ایجوکیشن میں میکالے ایک جگہ لکھتا ہے کہ

میں نے مشرق کا تمام ادب بالواسطہ یا بلاواسطہ پڑھ لیا، یہ یورپ کی کسی لائبریری کی الماری کے ایک تختہ پر رکھے گئے کتابوں کی برابر نہیں، سو انڈینز کو انگریزی پڑھنی اور پڑھانی ہے اور یوں لاٹ صاحب نے بیک جنبش قلم دنیا کی قدیم ترین ادبی سرمایے کو سمندر برد کر دیا، میکالے نے شادی نہیں کی تھی، ایک بہن ہانا (Hanna) کلکتہ ساتھ لائی تھی جس نے یہاں ایک سول سرونٹ ٹریولیان Trevelyan سے شادی کی ہانا اور ٹریولیان کا بیٹا مشہور ادیب و مؤرخ سر جارج اوٹو ٹریولیان اور پھر اس کا بیٹا جارج میکالے ٹریولیان ادیب و مؤرخ تھے، بھانجے اور بھانجے زادے نے میکالے پر بہت کام کیا میکالے کے دستاویزات اور سوانح جو ابھی راقم کے زیر مطالعہ ہیں اسی بھانجے کے شائع کردہ ہیں۔

لارڈ میکالے مبالغوں اور تضادات کا مجموعہ تھے اگرچہ مبالغہ ادبیت کا حصہ ہے اور انسان تضادات بھرا جانور ہے اور To be free of contradictions is to be inhuman لیکن ایک ایک صفحہ پر میکالے کے مبالغے اور تضادات کسی بھی قاری سے ناقابل ہضم ہیں۔

شیکسپیئر کے ڈرامے جولیس سیزر میں بروٹس Brutus و کیسیس Ca-ssius کے مکالمے کے بارے میں لارڈ لکھتے ہیں: These two or three pages are worth the whole French

drama ten times over. شیکسپیئر کے ڈرامے King Lear کے اختتام میں بادشاہ لیئر کی اذیت ناک خود کلامی بارے لکھتے ہیں: Where is there anything thing like this in the world?

تاہم چند سطر بعد لارڈ اپنا یہی اعلان فراموش کر جاتے ہیں اور شیکسپئر کے ایک اور ڈرامے Romeo and Juliet میں رومیو کی جولییٹ کی خبر مرگ پر لکھتے ہیں: It moves me even more than Lears agonies! تعجب آور یہ کہ انہیں نکات کے حاشیہ پر ان کا بھانجا اور مؤلف سر اوٹو ٹریولیان Sir George Otto Trevelyan لکھتے ہیں: Macaulay reckoned Romeo and Juliet the best play extant in any language. ناطقہ فقط سر بگریباں نہیں بلکہ اس کا سر چکرا رہا ہے کہ ان مبالغوں بھرے تضادات کو کیا کہئے یہ غیر منصفانہ ادبی شانزم ہے اور انگریزی ادب کے علاوہ تمام یورپی ادب سے ناانصافی ہے، اپنے ادب کے ساتھ میکالے نے جو کچھ کیا اس کا حق تھا لیکن کسی مشرقی زبان سے مکمل جاہل رہتے ہوئے انکے منٹس آن انڈین ایجوکیشن Minutes on Indian Education والا دعوی مکمل جانبداری، جارحیت اور بربریت پر مبنی تھا، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ایک مثال:

میکالے نے فردوس گم گشتہ Paradise Lost کے شاعر جان ملٹن پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا جو اس وقت ایڈنبرا ریویو میں شائع ہوا یہ مقالہ ایک قصیدہ ہے اور کہتے ہیں اسی نے میکالے کی شہرت بطور ادیب و دانشور مستحکم کی اس مقالے میں میکالے نے ملٹن Milton کو ہومر کے بعد دنیا کا دوسرا بڑا شاعر قرار دیا ہے ملٹن کی اس رزمیہ epic نظم کی جان وہ سطور ہیں جن میں ابلیس جہنم میں آگ کے منبر پر بیٹھ کر فرشتوں کو خطاب کرتا ہے پھر ابلیس کے اس آتشین خطاب کی روح ابلیس کا ایک ہی جملہ ہے: Better to reign in hell than serve in heaven. جنت کی غلامی سے جہنم کی بادشاہی بہتر ہے اسے توارد کہیں یا سرقہ؟

ملٹن سے صدیاں قبل عرب شاعر ابوالطیب احمد المتنبی نے کہا تھا: فأطلب العز فی الظی و دع الذل و لو کان فی جنان الخلود عزت طلب کر اگر چہ دوزخ میں ہو، ذلت کو چھوڑ اگر چہ دائمی بہشت میں ہو لارڈ میکالے کے زمانے میں ملا زادہ رشید یوسفزئی تھا نہیں اور فرنگی محل کے سادہ مولوی انگریزی سے نابلد تھے ورنہ میکالے سب کچھ چھوڑ کر درس نظامی میں داخلہ لیتے۔

صاحبزادہ عبدالحق ثانی

دارالعلوم کے شب و روز

تنظیم ''نہضۃ العلماء'' انڈونیشیا کے چیئرمین اور سفیر صاحب کی دارالعلوم آمد

۳ راگست ۲۰۲۴ بروز ہفتہ کو انڈونیشیا اور عالم اسلام کی سب سے بڑی مذہبی تنظیم ''نہضۃ العلماء'' کے سربراہ جناب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اولی الابصار عبداللہ صاحب اور انڈونیشین سفارتخانے کے سفیر جناب رحمت ہندیارتا کوسوما صاحب اپنے دیگر رفقاء، پولیٹکل قونصلر، جناب ایکسل مرزا صاحب اور پروٹوکول آفیسرز کے ہمراہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔انہوں نے نائب مہتمم مولانا حامد الحق صاحب، مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق صاحب سے ملاقات کی، دارالحدیث اور شعبہ تخصصات میں خطابات کئے اور دارالعلوم کی خدمات پر اسے خراج تحسین پیش کی۔

مہتمم صاحب مدظلہ کی مصروفیات

۲۷ جون: وفاق المدارس العربیہ پاکستان ضلع راولپنڈی کے مسؤل حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔۲۹۔۳۰ جون: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے افغانستان اور سوات سے آئے ہوئے فضلائے کرام سے ملاقات کی۔ یکم جولائی: جامعہ عالمیہ بنوریہ کراچی کے استاذ و نگران اعلی شعبہ تخصص فی التفسیر وعلوم حضرت مولانا مفتی محمد داؤد صاحب جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور شعبہ تخصصات میں تخصص فی التفسیر کے طلباء سے خطاب فرمایا بعدازاں انہوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات بھی کی۔اسی روز استاد تخصص فی الفقہ مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب نے بھی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی ۔۲ جولائی: صوبہ پنجاب سے آئی ہوئی تبلیغی جماعت کے وفد اور ضلع کرک کے فضلائے کرام نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔۳ جولائی: کراچی سے آئے ہوئے فضلائے کرام اور مہمانوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی اور ان سے دعائیں حاصل کیں۔۴ جولائی: پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان سے آئے ہوئے مہمانان گرامی اور فضلائے کرام نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔۸۔۹ جولائی: مردان، پشاور، خیبر سے آئے ہوئے فضلائے کرام اور مہمانوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات اور دعائیں لیں۔۱۰ جولائی: کراچی اور پنجاب کی تبلیغی جماعت کے علاوہ

ضلع پشاور کے فضلائے کرام نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی۔۱۱۔۱۴ جولائی: ضلع نوشہرہ، چارسدہ، پبی اور دیگر مدارس سے آئے ہوئے فضلائے کرام نے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی اور ان سے دعائیں لیں۔۱۷۔۱۸ جولائی: جامعہ اسلامیہ پشاور کے طلبائے کرام اور مختلف علاقوں سے آئے ہوئے وفد نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی، اس کے علاوہ ضلع پشاور اور تاروجبہ کے فضلائے کرام سے ملاقات کی، مسجد مولانا مغفور اللہ بابا جی اکوڑہ خٹک حضرت مہتمم صاحب تشریف لے گئے اور وہاں دعا فرمائی۔۲۰ جولائی: ضلع رحیم یار خان اور سے آئے ہوئے مہمانان کرام اور ضلع صوابی کے فضلائے کرام جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقاتیں کیں۔۲۱ جولائی: ضلع چارسدہ سے آئے ہوئے فضلائے کرام نے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی اسی طرح افغانستان سے آئے ہوئے مہمانوں نے بھی حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔۲۲۔۲۳ جولائی: ضلع مردان، ضلع دیر، ضلع بھکر سے آئے ہوئے فضلائے کرام اور مہمانوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ملاقات کی اور ان سے دعائیں لیں، اسی طرح جامعہ ابوہریرہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے بھی حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

نائب مہتمم صاحب مدظلہ کی مصروفیات

۲ جولائی: محرم الحرام میں امن وامان کی فضا برقرار رکھنے کیلئے ملک کے معروف علما و دینی جماعتوں کے سربراہان کا اہم اجلاس اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ والد محترم حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب مدظلہ امیر جمعیت علما اسلام (س) و نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے شرکت کی اور خطاب فرمایا۔۷/جولائی: اپر دیر کے مختلف علاقوں اپر دیر، کمراٹ، بیاڑ، شرینگل کا دورہ کیا اور فضلا حقانیہ اور ارکان جمعیت سے ملاقاتیں کیں۔حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب اور دیگر ہمراہ تھے۔۱۱/جولائی: جامعہ بنوریہ کراچی کے استاد مولانا مفتی ڈاکٹر محمد وقار صاحب اپنے وفد کے ہمراہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، انہوں نے حضرت نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی اور جامعہ کے مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا۔۱۴/جولائی: لنڈی کوتل سے آئے ہوئے علما کرام اور طلبا کرام کے وفد نے ملاقات کی۔۱۸/جولائی: شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ بابا جی مدظلہ کے نام سے موسوم خوبصورت جامع مسجد اکوڑہ خٹک میں تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اسی مناسبت سے اساتذہ حقانیہ کیلئے دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا جس میں دیگر اساتذہ وشیوخ حقانیہ ہے ہمراہ حضرت نائب مہتمم صاحب مدظلہ نے بھی شرکت فرمائی۔۲۵ جولائی: جمعیت علما اسلام (س) کے مرکزی رہنماؤں کا

مشاورتی اجلاس اکوڑہ خٹک میں زیر صدارت حضرت مولانا حامد الحق حقانی مدظلہ منعقد ہوا۔ اجلاس میں موجودہ ملکی حالات اور جماعتی نظم ونسق پر مشاورت ہوئی۔۲۸ جولائی: قادیانیوں کے حوالے سے سپریم کورٹ کے حالیہ متنازعہ فیصلے کے خلاف جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت نائب مہتمم صاحب مدظلہ نے اس متنازعہ فیصلے کومسترد کرتا ہوے اس عزم کا اعادہ کیا کہ تحفظ ناموس رسالتؐ وختم نبوت کیلئے ہم کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے ان شاءاللہ تعالیٰ، بعد ازاں اکوڑہ خٹک میں یوم تحفظ ختم نبوت کی مناسبت سے ایک بڑے احتجاجی مظاہرے کی قیادت فرمائی اور تفصیلی خطاب فرمایا، حضرت مولانا عبد القیوم حقانی، حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ، حضرت مولانا عرفان الحق حقانی، حضرت مولانا لقمان الحق حقانی، مولانا اسامہ سمیع، مولانا خزیمہ سمیع صاحبان و دیگر نے بھی خطاب فرمایا۔

وفیات: ۲۶ جون ۲۰۲۴ کوخیبر پختونخوا کی ایک اہم نامور علمی، ادبی اور سیاسی شخصیت سابق ڈپٹی اسپیکرصوبائی اسمبلی جناب اکرام اللہ شاہد صاحب وفات پاگئے۔ آپ محقق، ادیب، مصنف، وکیل اور معروف قانون دان تھے۔ جنازہ میں حضرت مہتمم مولانا انوار الحق مدظلہ، مولانا راشد الحق، مولانا سید یوسف شاہ صاحبان نے شرکت کی۔ادارہ ان کے لئے رفع درجات کی دعا کرتا ہے۔

☆ جمعیت علماء اسلام کے دیرینہ کارکن، قائد جمعیت امام الشہدا حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے شیدائی، دارالعلوم حقانیہ کے مخلص اوروفادار فاضل مولانا حضرت بلال حقانی ۱۷رجولائی ۲۰۲۴ء کو شام پانچ بجے اپنے آبائی گاؤں کڑی کوٹ وانا وزیرستان میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔مرحوم نے جامعہ سے فراغت کے بعد اکوڑہ خٹک میں رہائش اختیار کی، اکثر سفر وحضر میں امام الشہدا حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے ساتھ ہوتے، مرحوم کی اساتذہ اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے بے پناہ محبت اورعقیدت تھی مرحوم کی وفات پر جامعہ حقانیہ کے اساتذہ کرام بالخصوص جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب، نائب مہتمم حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب، حضرت مولانا راشدالحق سمیع صاحب اور تمام جماعتی احباب اور کارکنان انتہائی افسردہ اورغمزدہ ہیں، ہم سب مرحوم کے صاحبزادگان اور برادران کیساتھ اس غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ مرحوم کواپنے اکابراوراساتذہ کرام کی زندگی بھر بے لوث خدمت کرنے کی برکت سے اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے (آمین)۔۲۶رجولائی: مولانا ظہور احمد حقانی (استاد معہد لغۃ العربیۃ) کے والد انتقال فرما گئے،ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اوران کی مغفرت کے لئے دعا گو ہے۔

مولانا محمد اسلام حقانی
نائب مدیر ماہنامہ ''الحق''

تعارف وتبصرہ کتب

● **ذکر المرسلین اردو ترجمہ قصص النبیین** تالیف: مولانا یوسف ماما کفلیتوی قاسمی

ضخامت: تین جلد (۱۱۸۸ صفحات) ناشر: زمزم پبلشرز کراچی (03098204773)

جس طرح مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ کی شخصیت، علمیت اور خدمات محتاجِ تعارف نہیں اسی طرح آپ کی تصنیفات اور تالیفات بھی محتاج تبصرہ و تعارف نہیں، آپ کی ہر کتاب علم وتحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ اور علوم ومعارف گنجینہ ہوتی ہے اور اسلوب نگارش بہت دلچسپ، دلنشین، شگفتہ اور مفید ہوتا ہے، آپ کی ایک بہترین کاوش قصص النبیین بھی ہے جو پانچ حصص پر محیط ہے، یہ ایک عرصہ سے دینی مدارس میں داخل نصاب ہے جو ابتدائی طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے، بچوں کو عربی زبان سیکھنے سکھانے کیلئے یہ بڑی اہمیت کی حامل کتاب ہے، اس کتاب کے اب تک کئی اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور ترجمے، تشریح اور تسہیل کا یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''ذکر المرسلین اردو ترجمہ قصص النبیین'' بھی اس سلسلہ کی ایک حسین کڑی ہے جس کا ترجمہ مولانا یوسف ماما کفلیتوی قاسمی نے کیا ہے، مترجم موصوف نے سلیس ترجمہ کرکے عام فہم انداز میں طلبہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اور حواشی میں مشکل الفاظ یا مقامات کے اسماء پر روشنی ڈالی ہے، جا بہ جا قوسین میں بعض مقامات کی تشریح بھی احسن طریقے سے کی ہے، یہ صرف ترجمہ نہیں بلکہ یہ قصص النبیین کی ایک شرح کی حیثیت رکھتی ہے، عربی سیکھنے سکھانے والے اساتذہ کرام اور طلباء کیلئے یہ انمول تحفہ اور قیمتی سوغات سے کم نہیں، سکول، کالج اور یونیورسٹی کے وہ طلبہ جو عربی زبان وادب سے مناسبت رکھتے ہیں وہ بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، ارباب زمزم پبلشرز کراچی قابل صد تحسین ہے کہ انہوں اس اہم کتاب کو پاکستان میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)

● **مرغوب المسائل** تالیف: مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری

ضخامت: ۲۴۴۹ صفحات (۶ جلد) ناشر: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر، مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

قرآن وحدیث سے مستنبط احکامات کو فقہ اسلامی کہا جاتا ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تشریح وتفسیر ہے، فقہائے کرام نے قرآن وسنت سے مسائل واحکامات کا استنباط کرکے فقہ اسلامی کے نام کے ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع کرکے مدون کیا ہے ان علما، فقہا اور مفتیان کرام نے ہر دور میں مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور یہ مبارک سلسلہ اب تک جاری وساری ہے اس سلسلہ کی ایک حسین کڑی مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری صاحب کی رسائل فقہیہ پر مشتمل کتاب مرغوب المسائل بھی ہے جس میں انہوں نے فقہی مسائل پر مشتمل رسائل کو کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''مرغوب المسائل'' ۶ جلدوں اور ۶۷ رسائل پر مشتمل ہے، مؤلف موصوف نے اس سے قبل بھی ضخیم کتابیں مرتب کرکے اہل علم سے داد تحسین وصول کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیال قلم عطا فرمایا ہے، یہ مجموعہ بہترین تحقیقی رسائل جس میں عبادات، معاملات، معاشرت اور دیگر بہت سارے دینی موضوعات پر محیط ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارباب زمزم پبلشرز کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اہل علم کے استفادے کے لئے یہ ضخیم علمی وفقہی ذخیرہ منظر عام پر لائے۔ فقہی رسائل کا یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اس کو ہر دار الافتا، لائبریری اور ہر گھر میں رکھ کر اس سے استفادہ کیا جائے۔

- سہ ماہی ''تجلیات فرید'' مدیر اعلیٰ: پیر طریقت مولانا میاں محمد ایاز حقانی

ضخامت ۹۵ صفحات ناشر: دارالعلوم اسلامیہ فریدیہ کانگڑہ شبقدر چارسدہ

دینی صحافت میں دینی مدارس کے رسائل و جرائد کا بڑا کردار رہا ہے، دینی تعلیمات اور اصلاح، علمی وتحقیقی مضامین کی نشر واشاعت میں دینی مجلّات کا وافر حصہ ہے، جس سے اہل علم کے ساتھ عامۃ الناس بھی مستفید ہوتے رہتے ہیں، دینی مدارس سے اب رسالے کثرت سے نکلتے ہیں اور اصلاح معاشرے کیلئے اپنی خدمات پیش کررہے ہیں، ان رسائل میں سے ایک رسالہ سہ ماہی ''تجلیات فرید'' بھی ہے جو جامعہ اسلامیہ فریدیہ چارسدہ سے نکلتا ہے۔ زیر تبصرہ مجلّہ ''تجلیات فرید'' جامعہ حقانیہ کے ہونہار قدیم فاضل اور جدید عالم دین پیر طریقت حضرت مولانا میاں محمد ایاز حقانی صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے اس کے مدیر مسؤل جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے استاد اور ماہنامہ ''الحق'' کے نائب مدیر مولانا سید حبیب اللہ شاہ صاحب ہیں یہ شمارہ ''رمضان خصوصی نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا ہے جس کے تمام مضامین لائق مطالعہ ہے، مضامین کا بہترین انتخاب کیا گیا ہے، یہ مجلّہ ایک اصلاحی علمی مجلّہ ہے جس سے خواص اور عوام یکساں طور پر مستفید ہوسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)